چشمۂ عرفان

بجواب

"تحریکِ قادیان"

مُصنّفہ

جناب مولوی علی محمدؐ صاحب اجمیری مولوی فاضل

مبلّغ سِلسلہ عالیہ احمدیہ قادیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

والصلوٰۃ والسلام علی عبدہ المسیح الموعود

"سیاست" کے سلسلہ مضامین

پر

اجمالی تبصرہ

جناب سید حبیب صاحب مالک اخبار "سیاست" نے ایک طویل سلسلہ مضامین بعنوان "تحریک قادیان" اپنے اخبار میں ۱۲ اپریل ۱۹۳۳ء سے شروع کر رکھا ہے۔ جو اس وقت چالیس کے قریب قسطوں تک پہنچ چکا ہے۔ اور نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اور کتنا طول کھینچے اس لئے ضروری معلوم ہوا ہے۔ کہ سید صاحب کے بیان کردہ بعض امور کے متعلق فوری طور پر اظہار خیالات کیا جائے ؎

سید صاحب نے اپنے مضامین کی مختلف اقساط میں اس بات کا ذکر کیا ہے۔ کہ ان کے احباب ان کے طرز استدلال کی بہت تعریف کر رہے ہیں۔ اسی ضمن میں ان مضامین کی مقبولیت اور اثر کا اظہار کرتے ہوئے "سیاست" ۲۸۔ جون میں نہایت شاندار طریق سے یہ خبر شائع ہوئی۔ کہ میاں محمد کریم صاحب سکرٹری انجمن احمدیہ لائل پور ان مضامین سے متاثر ہو کر احمدیت سے تائب ہو گئے ہیں۔ مگر چونکہ یہ خبر غلط تھی۔ اس لئے "الفضل" ۶۔ جولائی میں بعنوان "سیاست کی غلط بیانی" اس کی تردید شائع کی گئی۔ جس میں ضمناً یہ ذکر بھی کیا گیا۔ کہ سید صاحب کے مضامین میں کوئی

خاص بات جدت کے رنگ میں نہیں پائی جاتی۔ بلکہ آپ پرانے اعتراضات ہی کو جو مخالفین سلسلہ احمدیہ ہمیشہ کرتے رہتے ہیں۔ اور جن کے بارہا جواب دئے جا چکے ہیں۔ دُہرا رہے ہیں۔ لہذا ان کی اس قدر اہمیت ظاہر کرنا۔ کہ ان کی وجہ سے لوگ احمدیت سے تائب ہو رہے ہیں۔ اور اس کے لئے جھوٹی خبر شائع کرنا افسوسناک ہے۔

سید صاحب "الفضل" کا یہ نوٹ پڑھ کر سخت برافروختہ ہو گئے۔ اور آپ نے "تہذیب قادیان" کے موٹے عنوان سے "الفضل" کا نوٹ اپنے اخبار میں درج کر کے اس کے اندازِ تحریر کو تہذیب سوز اور دلآزار قرار دیا۔ بلکہ یہاں تک لکھدیا۔ کہ "الفضل" کی اس تحریر کا میری تحریروں سے مقابلہ کیا جائے۔

سید حبیب صاحب کا چیلنج

گو اس میں شک نہیں۔ کہ سید صاحب کا عام اندازِ تحریر بعض لوگوں کے اندازِ تحریر کی نسبت سنجیدہ ہے۔ اور اس امر کا اعتراف کرنا ہمارا اخلاقی فرض ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی کہوں گا۔ کہ وہ ہرگز ایسا نہیں۔ کہ سید صاحب ہمیں "الفضل" کی تحریر سے اس کا مقابلہ کرنے کا چیلنج دیں۔ کیونکہ سید صاحب نے اپنے مضمون کے دوران میں کسی معمولی اخبار نویس یا سیاسی لیڈر کے خلاف نہیں۔ بلکہ ایک ایسی ہستی کے خلاف جسے ایک بڑی جماعت مامور من اللہ اور نبی اللہ سمجھتی ہے۔ نہایت دلآزار الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اور تعجب تو یہ ہے۔ کہ سید صاحب نے جس مضمون میں یہ چیلنج دیا ہے۔ اُسی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات پر نہایت ناروا حملے کئے ہیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:۔

"مدیر الفضل کا مجھ پر حق عائد ہوتا ہے۔ کہ میں اعلان کروں۔ کہ وہ آخر مرزا صاحب کے مُرید ہی ہیں۔ تہذیب سوز تحریر میں اپنے پیشوا پر سبقت نہیں لے جا سکتے۔" آگے چل کر اس سے بھی زیادہ افسوسناک طریق پر لکھتے ہیں۔" اگر قادیان مرزا صاحب کے لئے محمدی بیگم کے علاوہ کوئی اور آسمانی دُلہن تلاش کرے۔ اور مرزا صاحب سے جدید پیشگوئیاں حاصل کر سکے۔ جو غلط ہوں۔ تو ہم بھی محمدی بیگم کے قصہ کو چھوڑ کر افسانۂ جدید کو تنقید کی روشنی میں پیش کریں گے۔"

سید صاحب سے شکایت

"الفضل" نے جو کچھ لکھا۔ اس میں سید صاحب کی ذات پر کوئی حملہ نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ جیسا کہ امر واقع تھا۔ صرف اس قدر لکھا تھا۔ کہ یہ "سیاست کی غلط بیانی" ہے۔ جس کا ذمہ وار جھوٹی خبر بھیجنے والا نامہ نگار یا "سیاست" کا ماتحت عملہ ہو سکتا ہے۔ مگر ہمیں تو یہ شکایت ہے۔ کہ سید صاحب نے اپنے مضامین میں ہمارے مقتداء و پیشوا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بے جا حملے کر کے آپ کے لاکھوں متبعین کے قلوب

کو مجروح کیا ہے۔ جو قوانین انسانیت کے رُو سے بھی ایک کبیرہ گناہ ہے۔

سید صاحب کی حیثیت ایک سیاسی لیڈر یا مالک اخبار ہونے کے لحاظ سے خواہ کچھ ہی ہو۔ اس سے غالباً انہیں بھی انکار نہ ہوگا۔ کہ ان کو ایک ایسی ہستی کے مقابل پر کھڑا نہیں کیا جا سکتا۔ جسے ایک بڑی جماعت خدا تعالےٰ کا فرستادہ اور نبی یقین کرتی ہے۔ اگر سید صاحب یہ کہیں۔ کہ میں تو ان کو نبی نہیں سمجھتا۔ یا یہ کہ میں نے جو کچھ لکھا۔ وہ واقعات اور دلائل کی روشنی میں لکھا۔ تو اس کے متعلق گذارش ہے۔ کہ آریہ اور عیسائی بھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام پر حملے کرتے وقت یہی عذر پیش کیا کرتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے آپ اُن کی تحریرات کو خلاف تہذیب قرار دیکر اُن کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں۔ پس انصاف کا تقاضا تو یہی ہے۔ کہ مخالفین اسلام کے جس فعل کو آپ خلاف تہذیب و انسانیت سمجھتے ہیں۔ اسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابل پر بھی خلاف تہذیب و انسانیت سمجھیں۔

سید صاحب کا اندازِ تحریر

اب میں ذیل میں سید صاحب کے مضمون سے چند ایسے اقتباسات درج کرتا ہوں۔ جن سے آپ کے اس دعویٰ کو بآسانی پرکھا جا سکتا ہے۔ کہ آپ کی تحریر "الفضل" کے نوٹ کے مقابل پر زیادہ "مہذب" ہے۔

(۱) "اگر مدعی نبوت کی تحریر میں سوقیانہ پن ہو۔ تو وہ بھی اس کے دعویٰ کی تردید میں کام دے سکتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ مرزا صاحب کی تحریر بعض اوقات معیار تہذیب سے گر جاتی ہے۔" (قسط پانزدہم)

(۲) ایک کلرک تھا۔ کہ پندرہ روپے کی حیثیت سے پندرہ لاکھ پر پہنچ گیا۔ اس کے مخالف اس کے دعاوی کے متعلق یہ زیادہ آسانی سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس کا اصلی مدعا جلب زر و اکتساب متاع قلیل تھا۔" (قسط شانزدہم)

(۳) "مرزا صاحب نے خفا ہو کر جو کچھ کہا۔ وہ اُن کے ایسے بلند پایہ انسان کی شان کے لائق نہ تھا۔ مرزا صاحب کی اُردو کمزور اور پھسپھسی تھی۔ تو کیا وہ متبحر عالم تھے۔ لہذا یہ سب افعال اُن کی شان سے بطور عالم و انسان بعید "تا بہ نبی اللہ چہ رسد"" (قسط بست و پنجم)

(۴) "مرزا صاحب نے خاتون موصوفہ کے حصول کی خاطر تخویف و تحریص کا جو سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس کا بدترین مظاہرہ اس وقت ہوا۔ جب آپ نے مایوس ہو کر اپنے بیٹے سے قطع تعلق کر لیا۔ اس لئے کہ اُس نے ناکام باپ کے اشارہ پر اپنی بے گناہ بیوی کو طلاق دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ۔ ۔ ۔ مرزا صاحب نے جو کچھ کیا۔ وہ نبی اللہ تو بڑی بات ہے۔ ایک

عام انسان کے شایانِ شان بھی نہیں تھا۔ لیکن مرزا صاحب کے بعض ایسے افعال و اقوال جو ایک عام انسان کے شایانِ شان بھی نہیں ہیں۔ اسی ایک مثال تک محدود نہیں۔ بلکہ اس کی ایک سے زیادہ مثالیں آسانی سے پیش کی جا سکتی ہیں۔" (قسط بست و ششم)

(۵) "گذشتہ قسط میں ان امور کا ذکر ہوا ہے۔ جو مرزا صاحب کے بعض افعال و اقوال پر مشتمل تھے۔ جن کے خلاف نرم ترین الفاظ میں صدائے احتجاج بلند کرنے والا بھی اس کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کہ مرزا صاحب کے یہ افعال و اقوال ایک معمولی آدمی کے شایانِ شان بھی نہیں۔ تا بہ نبی اللہ چہ رسد۔" (قسط بست و ہفتم)

(۶) "ناظرین آپ مرزا صاحب کی تحریر کا وہ نمونہ ملاحظہ فرما چکے۔ جو بطور انسان ان کی شان کے شایاں نہ تھا۔ اب ذرا نظم میں ان کے غیظ و غضب کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔" (قسط بست و ہشتم)

(۷) "یہ بات نہ صرف ایک نبی کی شان کے خلاف بلکہ ہر صاحب دیانت انسان کی شان کے شایاں بھی نہیں۔" (قسط بست و ہشتم)

(۸) "نبی تو درکنار یہ بات ایک عام انسان کی شان کے شایاں بھی نہیں۔" (قسط بست و ہشتم)

(۹) "میں نے ثابت کیا ہے۔ کہ مرزا صاحب کے بعض افعال و اقوال ایک نبی کی شان سی تو کیا ایک عام آدمی کی شان سے بھی گرے ہوئے ہیں۔" (قسط بست و نہم)

ناظرین کرام! میں نے سید صاحب کے مضامین میں سے سخت تحریرات کے چند نمونے پیش کر دئے ہیں۔ اب آپ خود فیصلہ کر لیں۔ کہ سید صاحب اپنے چیلنج میں کہاں تک حق پر ہیں۔

محقق کا فرض

سید صاحب نے اپنے مضمون میں "الفضل" کے اس ریمارک پر بھی کہ آپ کے مضامین میں کوئی جدت نہیں۔ بلکہ فرسودہ اعتراضات ہی کو نقل کرنے پر اکتفا کی ہے۔ غیظ و غضب کا اظہار کیا ہے۔ لہٰذا ذیل میں چند ایسی مثالیں درج کی جاتی ہیں۔ جن سے یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ جائے گا۔ کہ آپ نے واقعی تحقیق سے کام نہیں لیا۔ بلکہ مخالفین سلسلہ احمدیہ نے جو کتابیں لکھی ہیں۔ انہی سے اعتراضات کو نقل کر دیا ہے۔ حالانکہ ایک محقق انسان کا اولین فرض یہ ہے۔ کہ جب وہ کسی موضوع پر قلم اٹھائے۔ تو سب سے پہلے اس کے ہر پہلو کی بذات خود تحقیق کرے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ سید صاحب نے اس فرض کو جو بحیثیت محقق آپ پر عائد ہوتا تھا۔ ادا نہیں کیا:

دوسروں کے اعتراضات کی نقل

مضمون کی جو اقساط اس وقت تک شائع ہو چکی ہیں ان کے

سرسری مطالعہ سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ آپ نے بذات خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کی تکلیف گوارا نہیں فرمائی۔ بلکہ بعض مخالفین کی کتابوں سے ایسے اعتراضات نقل کر دئے ہیں۔ جن میں سے بعض کو آپ خود بھی نہیں سمجھ سکے۔ اور اس وجہ سے اُن کے بیان کرنے میں آپ سے فاش غلطیاں سرزد ہوئی ہیں:

پہلی مثال

مثال کے طور پر قسط بستم ملاحظہ ہو۔ جس میں آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیوں پر بحث کرتے ہوئے چوتھے نمبر میں بعنوان "مرزا سلطان احمد کی موت کی پیشگوئی" تحریر فرماتے ہیں:-

"مرزا صاحب نے دعویٰ کیا تھا۔ کہ مرزا سلطان احمد صاحب ۲۱۔ اگست ۱۸۹۴ء تک ضرور فوت ہو جائیں گے۔ اور یہ تاریخ ہرگز ٹل نہیں سکتی۔ ملاحظہ ہو شہادت القرآن صفحہ ۸۰ مرزا صاحب نے اس پیشگوئی کو بہت ہی اہم اور عظیم الشان قرار دیا ہے۔ لیکن جن صاحب کے متعلق وہ پیشگوئی تھی۔ وہ تاریخ مقررہ سے ۲۹ سال بعد تک تو میرے علم کے مطابق زندہ تھے۔ ان کی تاریخ وفات مجھے محفوظ نہیں۔ لیکن اس کی ضرورت بھی نہیں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ وہ تائب ہو کر رہے۔ اور مرزائی ہو چکے تھے۔ لیکن ایک نہایت ہی معزز اور شریف سید دوست نے مجھے یقین دلایا۔ کہ وہ مرزائی نہیں ہوئے تھے۔ لہٰذا یہ ایک اور پیشگوئی ہے جو غلط نکلی۔"

سید صاحب نے چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب شہادت القرآن کو خود نہیں پڑھا۔ بلکہ جیسا کہ میں قبل ازیں عرض کر چکا ہوں۔ کسی مخالف کی کتاب میں مرزا سلطان محمد صاحب ساکن پٹی کی موت کا ذکر پڑھا۔ اور آپ اس سے یہ سمجھے۔ کہ یہ پیشگوئی خان بہادر صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کے متعلق ہے۔ اور اسی بات کو ذہن میں رکھ کر آپ نے اعتراض کر دیا۔ کاش سید صاحب خود تحقیق کرتے۔

اس امر کی مزید وضاحت کے لئے کہ سید صاحب کی مراد اس سے مرزا سلطان محمد صاحب ساکن پٹی نہیں۔ یہ عرض کرنا ضروری ہے۔ کہ مرزا سلطان محمد صاحب ساکن پٹی کا ذکر آپ نے قسط بست و دوم میں علیحدہ کیا ہے۔ اور اُن کے متعلق آپ کو یقینی طور پر معلوم ہے۔ کہ وہ ابھی زندہ ہیں۔ لیکن یہاں خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب ہی کا ذکر کیا ہے۔ اسی لئے ان کو وفات یافتہ قرار دیا ہے۔ نیز مرزا سلطان محمد صاحب ساکن پٹی کے متعلق کوئی احمدی

یہ نہیں کہنا۔ کہ وہ احمدی ہو گئے۔ ہاں خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب نے چونکہ بیعت کی تھی۔ اس لئے اُن کے متعلق ہم کہتے ہیں۔ کہ وہ احمدی تھے۔ پس ان دونوں قرائن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سید صاحب کی مراد اس جگہ مرزا سلطان محمد صاحب ساکن پٹی سے نہیں۔ بلکہ خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم سے ہے۔ جو صریحًا غلط ہے ؛

دُوسری مثال منشی محمد یعقوب صاحب پٹیالوی نے اپنی کتاب عشرہ کاملہ صفحہ ۱۳۱ پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سخت کلامی کا الزام لگاتے ہوئے نہایت ہی بد دیانتی سے کام لے کر ایک نظم کو غلط طور پر حضرت اقدس کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ سید صاحب بھی بغیر تحقیق کئے۔ اس نظم کو اپنے مضمون کی قسط بست و ہشتم میں نقل کر کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نہایت گھناؤنے الفاظ میں حملہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"نثر میں آپ مرزا صاحب کی تحریر کا نمونہ ملاحظہ فرما چکے۔ جو بطور انسان ان کی شان کے شایاں نہ تھا۔ اب ذرا نظم میں ان کے غیظ و غضب کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں"

اس نہایت ہی دلآزار ریمارک کی بنیاد جس نظم پر سید صاحب نے رکھی ہے۔ وہ ہرگز مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نہیں۔ کیا اس قسم کی انتہائی فروگذاشتوں کے باوجود سیّد صاحب کو حق پہنچتا ہے۔ کہ وہ اپنی تحریرات کا "الفضل" کے نوٹ سے مقابلہ کرنے کا چیلنج دیں۔ آپ نے اس نظم کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے :۔

"ہر صاحب قلم کا فرض ہے۔ کہ وہ حوالہ دیتے ہوئے انتہائی احتیاط سے کام لے۔ . . . . اخلاق تہذیب و دیانت تحریر نے اس کو پابند کر دیا ہے۔ کہ یہ کسی کی تحریر میں تحریف نہ کرے۔ . . . . انسان اگر کسی دوسرے انسان سے کوئی ایسی تحریر یا بات منسوب کرے۔ جو اس کی نہ ہو۔ تو یہ جائز نہ ہوگا"

مگر مجھے اس امر کے اظہار سے بے حد قلق محسوس ہو رہا ہے۔ کہ سید صاحب موصوف نے اس زرّین اصل کو خود ہی مدنظر نہیں رکھا۔ اور ایک نہایت ہی غیر ذمہ وارانہ طریق اختیار کیا۔ جس کی آپ سے امید نہ کی جا سکتی تھی۔ اس سے زیادہ اور کیا عرض کیا جائے ؛

تیسری مثال میں اس ضمن میں ایک اور ایسی ہی اندوہناک تحریر درج کرنا چاہتا ہوں۔ جس میں سید صاحب نے محققانہ طریق اختیار نہیں فرمایا۔ قسط ہشتم

میں اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا۔ حضورؑ کے الہام انت من ماءِ نا وھم من فشل کی وہ تشریح جو "عشرہ کاملہ" کے مصنّف نے لکھی ہے۔ پڑھ کر تحریر فرماتے ہیں :۔

"ماء سے مراد نطفہ لینا خارج از جواز نہیں۔ اس لئے کہ مرزا صاحب کے مُرید خاص قاضی یار محمدؐ صاحب نے اپنے ٹریکٹ موسوم بہ اسلامی قربانی میں ایک ایسا فقرہ لکھا ہے جس میں خدا تعالےٰ کی (معاذ اللہ) قوت رجُولیت کا ذکر بھی موجود ہے۔ عورت بننے کا دعویٰ موجود ہو۔ نطفہ کا قصہ موجود ہو۔ تو اس مضمون پر ٹھنڈے دل یا تہذیب سے بحث کیسے اور کیونکر کی جا سکتی ہے"

سید صاحب نے تہذیب سے بحث کرنے سے عاجزی کی وجہ قاضی یار محمدؐ کی تحریر کو قرار دیا ہے۔ مگر آپ نے یہ خیال نہ فرمایا۔ کہ قاضی یار محمدؐ ایک معذور آدمی تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک الہام کے معنی کرنے میں حضورؑ کی بیان کردہ تشریح کو چھوڑ کر اس شخص کی تحریر کو پیش کرنا۔ جس کے حواس بجا نہ ہوں۔ قرین انصاف نہیں۔ مگر میں اس معاملہ میں آپ کو معذور سمجھتا ہوں۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ مضمون لکھتے وقت آپ کے سامنے "عشرہ کاملہ" تھی۔ اور آپ نے اس کے مصنّف کی شہادت پر یقین کرتے ہوئے حرف بحرف اسی کے الفاظ نقل کر دئے ہیں؛

مخالفین اسلام آریوں اور عیسائیوں کا بھی یہی طریق ہے۔ کہ قرآن مجید اور صحیح احادیث کو چھوڑ کر ایسی ضعیف روایات کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔ جن سے اسلام اور بانی اسلام علیہ التحیۃ والسلام پر اعتراض پڑ سکے۔ میں سید صاحب سے گذارش کرونگا۔ کہ وہ اس قدر سنجیدہ موضوع پر بحث کرتے ہوئے ایسا طریق اختیار نہ کیا کریں۔ جو ایک متلاشی صداقت اور محقق کی شان سے بعید ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض دوسرے الہامات اور رؤیا وکشوف پر بحث کے سلسلہ میں بھی سید صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریحات کا مطالعہ نہیں فرمایا۔ بلکہ مخالفین کی کتابوں میں ہی جن میں ان کو قابل اعتراض بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مطالعہ کیا ہے۔ کیونکہ آپ کے پاس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابیں موجود نہ تھیں۔ بلکہ جیسا کہ آپ نے اپنے مضمون کے دَوران میں مختلف مقامات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ آپ کے پاس مخالفین کی کتابیں تو کافی موجود تھیں۔ مگر سلسلہ احمدیہ کی کتابیں جن میں ان اعتراضات کے جوابات موجود ہیں۔ کوئی بھی نہ تھی۔ اور جو بعض کتابیں سیّد دلاور شاہ صاحب نے دی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ نے ان کو پڑھا نہیں۔ کیونکہ ان میں سے ایک

کتاب تبلیغ ہدایت بھی تھی۔ جو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے کی تصنیف ہے مگر سید صاحب نے اُسے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی طرف منسوب کیا ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات اور رؤیا و کشوف پر اعتراضات کرتے ہوئے البشریٰ کا حوالہ دیکھکر آپ نے اُسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصنیف سمجھا۔ حالانکہ یہ بابو منظور الٰہی صاحب کی مرتب کردہ کتاب ہے جس میں انہوں نے حضورؑ کے الہامات کو یکجائی طور پر جمع کیا ہے۔ اور بعض جگہ اپنے ذاتی نوٹ بھی لکھے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ البشریٰ کو بذاتِ خود پڑھتے۔ تو وہ اعتراضات جو آپ نے مخالفین کی تشریحات کو پڑھ کر کئے ہیں۔ ہرگز نہ کرتے ؛

حج کے متعلق غلط فہمی

حج۔ جہاد اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی پر بحث کرتے ہوئے سید صاحب نے جو امور تحریر فرمائے ہیں اُن سے آپکی احمدیت کے لٹریچر اور عقائد سے قطعی ناواقفیت کا ثبوت ملتا ہے۔ ایک بدنیت مخالف کا طریق تو ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ کہ وہ جس بات پر اعتراض کرنا چاہتا ہے۔ اُسی بھیانک اور بدنُما صورت میں پیش کرے۔ لیکن ایک سمجھدار اور باانصاف انسان کا فرض یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ مخالف کی تحریرات ہی پر اپنی تحقیق کا انحصار نہ رکھے۔ میں سید صاحب کی شرافت کو مدنظر رکھتے ہوئے یقینی طور پر کہہ سکتا ہوں۔ کہ اگر آپ کو احمدیت کے عقائد کے متعلق ذرا بھی ذاتی واقفیت ہوتی۔ تو آپ ہرگز وہ باتیں نہ لکھتے۔ جو آپنے مخالفین کی گمراہ کُن تحریرات کو پڑھکر لکھی ہیں۔ مثلاً حج اور جہاد کے متعلق آپنے ہماری طرف ایسے عقائد منسوب کئے ہیں جن سے ہمیں دُور کی بھی نسبت نہیں۔ آپ فرماتے ہیں :۔

"مرزا صاحب کے مُریدوں نے اگر اصولاً نہیں۔ تو عملاً قادیان کو اپنا مرکز حج بنالیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مجھے معلوم نہیں۔ کہ کسی احمدی دوست نے حج کے لئے ارض مقدسہ حجاز کو جانے کی تکلیف گوارا کی ہو۔ لیکن یہ بات میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا" (قسط بست وچہارم)

جس شخص کی جماعت احمدیہ کے عقائد اور حالات سے واقفیت کا یہ حال ہو۔ کیا اُسے حق پہنچتا ہے۔ کہ ہمارے عقائد کے متعلق صحیح رنگ میں بحث کر سکنے کا دعوےٰ کرے۔ اور کیا ہم اُسے محقق کہہ سکتے ہیں۔ ہم محترم شاہ صاحب کی واقفیت کے لئے اس موقعہ پر صرف اس قدر عرض کرنا چاہتے ہیں۔ کہ حضرت المسیح موعودؑ کے دونوں جلیل القدر خلفاء یعنے حضرت

مولانا حکیم نور الدین رضؓ خلیفہ اوّل اور حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے حج بیت اللہ کیا۔ اور ان بزرگوں کے علاوہ ہر سال ذی استطاعت احمدی احباب حج کو جاتے ہیں۔ اور اس کا اعلان "الفضل" میں ہوتا ہے۔ اس سے غالباً آپ خود اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے۔ کہ حج بیت اللہ کے متعلق ہمارا کیا عقیدہ ہے۔ رہا یہ امر کہ قادیان میں آنا ظلی حج قرار دیا گیا ہے۔ سو اس کے متعلق واضح ہو۔ کہ ظلی حج سے مراد صرف اس قدر ہے۔ کہ جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اُولیٰ سے مکہ معظمہ کو خدا تعالےٰ نے مشرف و معزز کیا۔ اسی طرح آنحضورؐ کی بعثت ثانیہ سے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ قادیان میں ہوئی۔ خدا تعالےٰ نے قادیان کو بھی بطور ظل کعبہ معزز و مشرف کیا۔ پس اس میں علیحدگی اور مستقل حیثیت کا دعوےٰ نہیں۔ اور بشرط استطاعت حج بیت اللہ کرنا ہمارے عقائد میں داخل ہے ؛

جہاد کے متعلق غلط فہمی

جہاد کے متعلق بھی حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی تعلیم کو سمجھنے میں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں :۔

"مرزا صاحب کے مُریدان کے اس فعل کو اسلام کی خدمت سمجھتے ہیں۔ کہ انہوں نے سیالکوٹ میں اپنا مشہور لیکچر دیتے ہوئے اعلان کیا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے وسیلہ سے قرآن کی آیات جہاد کی تنسیخ کا حکم بھیجا ہے"

مسئلہ جہاد میں ہمارے عقائد کے متعلق سید صاحب کو جو یہ غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس کا بھی اصلی باعث یہی ہے۔ کہ آپنے اپنے معلومات کا انحصار مخالف لٹریچر پر رکھا ہے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ ایسا غلط طریق اختیار کر کے آپ اپنے غصہ کا مندرجہ ذیل الفاظ میں اظہار کرتے ہیں:

"تنسیخ جہاد کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اگر کہیں کوئی لفظ ایسا قلم پر آجائے۔ جو گرمیٔ تحریر کا باعث ہو۔ تو مجھے معذور سمجھا جائے۔ اس لئے کہ جناب مرزا صاحب قادیان کے کسی قول و فعل کا مطالعہ کرتے ہوئے مجھے اس قدر تکلیف نہیں ہوئی۔ جس قدر کہ جہاد کے متعلق اُن کے اعلان کے مطالعہ سے روح و قلب کو ایذا برداشت کرنی پڑی"

سید صاحب کو جو رُوحانی و قلبی ایذاء برداشت کرنی پڑی۔ اس کی ذمہ واری خود انہی پر عائد ہوتی ہے۔ ورنہ حضرت مسیح موعودؑ کا کوئی قول یا فعل ایسا نہیں۔ جو کسی عقلمند انسان کو تکلیف پہنچانے کا باعث ہو سکے۔ جہاد کے متعلق سید صاحب نے جو یہ لکھا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے قرآن کی آیات جہاد کو منسوخ کرنے کا دعوےٰ کیا۔ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ برخلاف

دیگر فرقہ ہائے اسلامیہ کے صرف جماعت احمدیہ ہی ہے۔ جو حضرت مسیح موعودؑ کے ارشاد کے ماتحت قرآن مجید میں کسی قسم کے نسخ کی قائل نہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے کبھی یہ نہیں فرمایا۔ کہ میں جہاد کو کلیتہً اور ہمیشہ کے لئے منسوخ کرتا ہوں۔ بلکہ آپ نے صرف یہ فرمایا۔ کہ موجودہ صورت میں چونکہ مسلمانوں میں طاقت نہیں۔ اس لئے کافروں کے ساتھ جہاد بالسیف یعنی تلوار کے ساتھ جہاد کرنا درست نہیں۔ اور یہی فتویٰ دوسرے علماء کا ہے۔ اور اگر اب جہاد بالسیف فرض ہے۔ تو آپ کو کفار کے مقابلہ میں اُٹھنا چاہیئے۔ دیر کس بات کی ہے؟

پس آپ کا جہاد بالسیف نہ کرنا ظاہر کرتا ہے۔ کہ آپ کے نزدیک بھی اس وقت اس قسم کا جہاد فرض نہیں۔ ہاں جہاد بالقلم جو حضرت مسیح موعودؑ نے مخالفین اسلام کے مقابلہ پر کیا۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اور قرآن مجید نے تبلیغ اسلام ہی کو جہاد کبیر قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا (سورۃ الفرقان ع ۵) گویا قرآن مجید کے ذریعہ جہاد کرنا جہاد کبیر ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاد کو ہرگز منسوخ نہیں کیا۔ بلکہ جیسا کہ بخاری شریف میں لکھا ہے کہ مسیح موعود (یَضَعُ الْحَرْبَ) لڑائی کے جہاد کو موقوف کر دیگا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ کہ جہاد کی اقسام کثیرہ میں سے جہاد بالسیف موجودہ صورت میں مسلمانوں کے لئے مفید نہیں۔ کیونکہ ان میں پہلی سی طاقت اور تاب مقابلہ نہیں رہی۔ لیکن دوسری اقسام جہاد مثلاً تبلیغ وغیرہ اب بھی جاری ہیں۔

جہاد بالسیف اور قرآن کریم

جہاد بالسیف کے متعلق قرآن مجید کی تعلیم یہ ہے۔ کہ مسلمانوں کو مخالفین اسلام کے مقابل پر تلوار اٹھانے کی اس وقت اجازت ہے۔ جب وہ تلوار کے ذریعہ اسلام کو نابود کرنا چاہیں۔ مگر اس زمانہ میں چونکہ مخالفین اسلام تلوار کے ذریعہ نہیں۔ بلکہ اشاعت اور پروپیگنڈا کے ذریعہ اسلام کی مخالفت کر رہے ہیں۔ لہذا ان کے مقابل پر تلوار اٹھانے کی تعلیم دینا قرآن مجید کے ارشادات کی خلاف ورزی ہے۔ پس دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیئے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاد سے نہیں روکا۔ بلکہ مخالفین اسلام کا تلوار سے مقابلہ کرنے سے روکا ہے۔ کیونکہ وہ اسلام پر تلوار کے ذریعہ حملہ آور نہیں ہو رہے۔

جنگ کی اجازت

ایک اور بات جو اس ضمن میں خاص طور پر ملحوظ خاطر رکھنی چاہیئے یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے جہاں مخالفین اسلام سے جنگ وجدال

نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ وہاں آپ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ کہ دین کے نام پر جنگ وجدال کرنے کی اس زمانہ میں ضرورت نہیں۔ پس مختلف ممالک کے مسلمان بیشک اپنے وطنوں اور عزتوں کی حفاظت کے لئے اگر وہ خطرہ میں ہوں۔ لڑیں۔ مگر اسے دین کی خاطر لڑائی قرار نہ دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد اس بارہ میں حسب ذیل ہے:۔

"ایسی گورنمنٹ سے جو دین اسلام اور دینی رسوم پر کچھ دست اندازی نہیں کرتی۔ اور نہ اپنے دین کو ترقی دینے کے لئے ہم پر تلوار چلاتی ہے۔ قرآن شریف کی رُو سے مذہبی جنگ کرنا حرام ہے۔ کیونکہ وہ بھی کوئی مذہبی جہاد نہیں کرتی۔" (کشتی نوح ص ۶۷)

حضرت مسیح موعودؑ کے دعاوی

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی کے متعلق بھی سید صاحب اسی صورت میں کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتے تھے۔ کہ آپ حضور کی کتابوں کا خود مطالعہ فرماتے۔ لیکن چونکہ آپ کا مقصد تحقیق نہ تھا۔ بلکہ بقول خود آپ ایک احمدی سے مضمون لکھنے کا مجبوراً وعدہ فرما چکے تھے۔ جسے پورا کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ لکھنا ضروری تھا۔ لہذا آپ نے اس فرض کو ادا کرنے کے لئے بہترین اور آسان طریق یہ سمجھا۔ کہ کسی مخالف کی کتاب کو سامنے رکھ کر اس میں سے بعض اعتراضات کو اپنے الفاظ میں بیان کر دیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی کے متعلق آپ نے بڑی لمبی بحث کی ہے۔ مگر ناظرین کی دلچسپی کے لئے آپ کا ایک اقتباس درج کرتا ہوں۔ جس سے تمام بحث کا خلاصہ معلوم ہو جائے گا۔ لکھتے ہیں:۔

"مرزا صاحب کتاب حقیقۃ الوحی کے ص ۳۹۱ پر لکھتے ہیں۔ کہ تیرہ سو برس ہجری میں کسی شخص کو بجز میرے یہ نعمت عطا نہیں کی گئی۔ جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ مرزا صاحب بعد امتی نبی ہیں۔ جو تیرہ سو سال میں مبعوث ہوئے۔ پھر ہر صدی میں محدث کا آنا کیسا۔ اور مرزا صاحب کا مجدد الف ثانی ہونا لایعنی۔ یہ دونوں امور تو پیش رَو کے طالب ہیں"

خط کشیدہ الفاظ کو پڑھیئے! اور سید صاحب کی عقائد سلسلہ احمدیہ اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی سے واقفیت کی داد دیجئے۔

اصُولی فروگذاشت

سید صاحب میدان سیاست کے پہلوان ہیں۔ اور مذہبی مباحث میں ان کو مجبوراً دخل دینا پڑا۔ ورنہ وہ اپنے آپ کو ہرگز اس قابل نہ سمجھتے تھے

کہ ایسے نازک موضوع پر قلم اٹھائیں۔ چنانچہ آپ نے لکھا ہے۔ کہ آپ "قرآن مجید سے جاہل ہیں۔ اور یہ کہ آپ نے "حدیث شریف اور فقہ کو صحیح معنوں میں کبھی ہاتھ بھی نہیں لگایا"۔
(قسط دوئم دربیان اسباب)

آپکے یہ الفاظ انکسار پر بھی محمول کئے جا سکتے ہیں۔ مگر جو شخص سید صاحب کے مضامین کو پڑھیگا۔ وہ کسی حد تک ان کو حقیقت پر بھی محمول کر سکتا ہے۔ کیونکہ آپنے اپنے مضامین کے لکھنے میں ایک اصولی فروگذاشت یہ کی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اعتراضات کرتے وقت اس بات کو بالکل نظر انداز کر گئے۔ کہ قرآن مجید اور احادیث نبویؐ اُن کے اعتراضات کی تائید میں نہیں ؛

عجیب و غریب حقائق

بعض مقامات پر تو آپنے ایسے حقائق بیان فرمائے ہیں۔ جو آج تک سُننے اور دیکھنے میں نہیں آئے۔ مثلاً یہ کہ

(۱) "مدینہ منورہ کا نام قرآن مجید میں نہیں"۔ (قسط بست و ہشتم)

(۲) "دعوئے نبوت یا مہدویت کرنے والوں کی ابتداء خواجۂ دوجہان کے عہد ہی میں شروع ہو گئی تھی"۔ (قسط دوئم)

(۳) "قرآن مجید کا دعوٰے ہے۔ کہ اس کی دس آیتوں کی مثال نہیں لائی جا سکتی"۔
(قسط چہارم)

(۴) "متشابہات سے مراد وہ مسائل ہیں۔ جنہیں دلیل بازی کا امکان ہو"۔ (قسط سوئم)

میرا مطلب ان امور کے ذکر سے صرف اس قدر ہے۔ کہ سید صاحب کو اس قدر فرصت میسر نہیں۔ کہ آپ مذہبی مسائل کی تحقیق اور چھان بین کر سکیں۔ مضمون کی بعض اقساط آپنے سفر میں لکھیں۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ سفر میں مبسوط اور ضخیم کتابوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ اٹھائے لئے پھرنا نہایت مشکل کام ہے۔ اس لئے آپ سفری ضروریات کے ساتھ مخالفین سلسلہ کے مختصر رسائل ہی سوٹ کیس میں رکھ کر لے جاتے۔ اور انہی پر اپنے معلومات کی بنیاد رکھکر اعتراضات نقل کر کے اخبار میں شائع ہونے کے لئے بھیج دیتے۔ چنانچہ اکثر مقامات میں آپنے مخالفین کے اعتراضات کو تھوڑے سے تغیر الفاظ سے نقل کرنے پر اکتفا کی ہے ؛

سید صاحب سے گذارش

سید صاحب نے ابتداء میں یہ وعدہ کیا تھا۔ کہ آپکے مضامین کا جو جواب لکھا جائے گا۔ آپ اسے اپنے اخبار میں شائع کر دینگے۔

اور بعد میں ایک مرتبہ اس کی توثیق بھی کی۔ مگر "الفضل" کے نوٹ سے آپ بلاوجہ ناراض ہو کر اب اپنے سابقہ وعدہ کو واپس لے رہے ہیں۔ اور جواب شائع کرنے کے متعلق عجیب و غریب شرائط پیش فرما رہے ہیں۔ میرے خیال میں سید صاحب کو بلند حوصلگی اور وسعت قلبی سے کام لینا چاہیئے۔ اور اپنے وعدہ پر قائم رہنا چاہیئے۔ انشاء اللہ تعالےٰ آپکے تمام اعتراضات کا تفصیلی جواب نہایت سنجیدگی اور متانت سے دیا جائے گا۔ اور امید ہے۔ کہ ان کو شکایت کا کوئی موقعہ نہ ملیگا۔ لیکن اگر وہ کسی صورت میں جواب شائع کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ تو یہ سلسلہ مضامین انشاء اللہ عنقریب اخبار "الفضل" میں شروع کر دیا جائیگا ؛

"سیاست" کے تمہیدی مضامین پر نظر

جناب سید حبیب صاحب نے "تحریک قادیان" کے عنوان سے جو سلسلہ مضامین احمدیت کے خلاف اپنے اخبار میں شائع کیا ہے۔ اس کے متعلق ایک تمہیدی مضمون پہلے لکھا جا چکا ہے۔ اب اُن کے پیش کردہ امور کے جواب کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔ اور آج کی صحبت میں ان باتوں کا جواب دیا جاتا ہے۔ جو انھوں نے اپنے تمہیدی مضامین میں جماعت احمدیہ کے متعلق لکھی ہیں۔

احمدیت کے خلاف قلم اُٹھانیکے اسباب

سید صاحب نے اپنے سلسلہ مضامین کو دو حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصہ میں "اس موضوع پر قلم اٹھانے کے اسباب" کا ذکر کیا ہے۔ اور دوسرے حصہ میں احمدیت کو قبول نہ کرنے کے دلائل بیان کئے ہیں پہلے حصہ کے مضمون کو آپ نے کئی اقساط میں ختم کیا ہے میں نے ان مضامین کو بالاستیعاب پڑھا ہے۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں۔ آپنے اس سارے بیان میں صرف ایک وجہ بیان کی ہے۔ اور وہ یہ کہ آپ ایک احمدی سے مضامین لکھنے کا وعدہ کر چکے تھے۔ جسے نبھانے کے لئے آپنے اپنی سابقہ روایات کے خلاف اس موضوع پر بادلِ ناخواستہ قلم اٹھایا۔ اسی ایک سبب کو آپنے جمع کے لفظ سے تعبیر کرتے ہوئے "اسباب" قرار دیا ہے۔ غالباً آپ کے ذہن میں ابتداءً بہت سے اسباب ہوں گے۔ جن میں سے صرف

ایک کو بیان کرنا مناسب سمجھا۔ اور باقیوں کو کسی خاص مصلحت کی بناء پر بیان نہ کیا جس کا پتہ آپ کے مضمون سے نہیں چلتا۔ مضمون کی ترتیب سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ حصہ تشنۂ تکمیل ہے۔ مگر مجھے چونکہ اس بحث سے کوئی غرض نہیں۔ اس لئے اسے نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اور چونکہ اصل موضوع زیر بحث سے اس کا براہ راست کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے اس ضمن میں صرف اسی قدر عرض کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے ؎

الفاظ "مرزائی" اور "قادیانی" کا استعمال

مضمون کے دوسرے حصہ میں اصل موضوع پر بحث کرنے سے قبل آپ نے مندرجہ ذیل چند اُمور بطور تمہید تین اقساط میں بیان فرمائے ہیں۔ لہذا سب سے پہلے انہی کے متعلق کچھ عرض کیا جاتا ہے۔ سید صاحب پہلی قسط میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"اس مضمون میں احمدی۔ مرزائی۔ یا قادیانی کے الفاظ سے کسی خاص اہتمام سے کام نہیں لیا گیا۔ اور نہ اُن کے استعمال سے کسی کی ہتک یا دلآزاری مقصود ہے"

قسط دوم میں فرماتے ہیں :۔

"قسط اول میں قادیانی کے استعمال کو ذوق سلیم کے لئے مکروہ سمجھتے ہوئے میں نے لکھ دیا تھا۔ کہ اس سے کسی کی ہتک مقصود نہیں"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گناہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ اَلْاِثْمُ مَاحَاكَ فِی صَدْرِكَ۔ گناہ وہ ہے۔ جو تیرے دل میں کھٹکے۔ یعنی انسان جب کسی گناہ کا ارتکاب کرنے لگتا ہے۔ تو اس کی فطرت سلیمہ بشرطیکہ وہ ماؤف نہ ہو گئی ہو۔ اس کے کان میں یہ آواز دیتی ہے۔ کہ تو یہ بُرا کام کرنے لگا ہے۔ یہ تو خوشی کی بات ہے۔ کہ سید صاحب کی فطرت میں نیکی اور بدی کا کچھ احساس باقی ہے۔ مگر ساتھ ہی اس بات کا افسوس بھی ہے۔ کہ باوجود اس احساس کے بروقت پیدا ہو جانے کے آپ نے عملاً اس کی راہ نمائی قبول نہ کی۔ اسلامی اخلاق تو کجا شرافت انسانی کے ادنیٰ اصول کی رُو سے بھی کسی شخص کو اس بات کی اجازت نہیں۔ کہ وہ دوسرے کے دل کو بلا وجہ دُکھائے۔ مگر سید صاحب نے باوجود اس بات کا یقینی طور پر علم رکھنے کے کہ "مرزائی" وغیرہ الفاظ سے خطاب کرنا جماعت احمدیہ کے افراد کو بُرا معلوم ہوتا ہے۔ بغیر کسی مجبوری کے دیدہ دانستہ اسی ناگوار طریق خطاب پر اصرار کیا ہے ؎

لفظ "مرزائی" کے استعمال کے جواز کی آپ نے دو توجیہات پیش کی ہیں۔ پہلی توجیہہ کی

تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"بانیٔ تحریک قادیان کی حیات میں ایک سالانہ جلسہ کے موقعہ پر مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے امیر جماعت احمدیہ لاہور کی شان میں کسی نے مرزا صاحب کی موجودگی میں یہ شعر کہا تھا۔

کیا ہے راز طشت از بام جس نے عیسویت کا
یہی ہیں وہ یہی ہیں وہ یہی ہیں پکّے مرزائی

اور مرزا صاحب آنجہانی نے اس شعر کی داد بھی دی"

لفظ مرزائی پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے داد دینے کا قصہ تو سید صاحب نے محض اپنی بات کو تقویت دینے کی خاطر از خود وضع کیا ہے۔ اس لئے اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اصل واقعہ کے متعلق گذارش یہ ہے۔ کہ شعر سے جو استدلال آپ نے کیا ہے۔ وہ ایک سخن فہم انسان کی نگاہ میں قابل مضحکہ ہے۔ شاعر کا مطلب لفظ مرزائی سے صرف اس قدر ہے۔ کہ جس شخص کو تعریض اور طعنہ کے طور پر مرزائی کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہی مرزائی اسلام کی خدمت کر رہا ہے۔ لہذا مرزائی کہنے والوں کو شرم کرنی چاہیئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی رنگ میں فرماتے ہیں :۔

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم ؎ گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

یعنی اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق کی وجہ سے مجھے کافر قرار دیتے ہو۔ تو خدا کی قسم میں سخت کافر ہوں۔ اب اگر سید صاحب کی طرح کوئی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس شعر کو آپ کے کفر کی دلیل کے طور پر پیش کرے۔ تو سوائے اس کے کہ اس کی سخن فہمی کا ماتم کیا جائے۔ اور کیا کہا جا سکتا ہے ؎

رسول کریمؐ اور لفظ صابی

اگر سید صاحب کو اب بھی اپنی بات پر اصرار ہو۔ تو اُن کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کا ایک ایسا ہی واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ جس طرح آج ہمارے مخالفین ہمیں مرزائی کہتے ہیں۔ اسی طرح کفارِ عرب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو صابی (بے دین) کہتے تھے۔ بخاری کتاب التیمم میں اس کے متعلق ایک واقعہ درج ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ ایک صحابی فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چند صحابہؓ سمیت کسی سفر پر تشریف لے گئے۔ راستہ میں پیاس لگی۔ صحابہؓ نے آنحضورؐ سے عرض کیا۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ اور ایک اور صحابی

کو پانی کی تلاش میں بھیجا۔ انہوں نے جنگل میں ایک عورت کو پانی کے دو مشکیزے اُونٹ پر لئے جاتے دیکھکر اُسے اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ اس نے کہا مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس۔ قالت الذی یقال له الصابی قالا هوالذی تعنین۔ اس نے کہا۔ کیا تمہاری مراد اس شخص سے ہے۔ جسے صابی کہتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں وہی جو تم نے کہا ہے۔

اب سیّد صاحب فرمائیں۔ کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو نعوذ باللہ بے دین کا خطاب دیتے ہوئے کوئی مخالف اسلام اس حدیث سے استدلال کرے۔ تو وہ اس کا کیا جواب دیں گے۔ ماھو جوابکم فھو جوابنا ؏

مرشد سے نسبت کا طریق

دوسری توجیہہ آپنے یہ تحریر فرمائی ہے۔ کہ :۔ "انسان اگر غور کرے۔ تو اپنے مرشد سے نسبت اُس کے لئے وجہ آشفتگی نہیں ہو سکتی۔ عیسائیوں نے عیسائی کے لفظ کو مسلم سے کمتر جان کر مسلمانوں کے لئے محمدی کا نام تجویز کیا۔ لیکن انہیں معلوم نہ تھا۔ کہ ایک سچے مسلمان کے لئے اس سے زیادہ اور کوئی وجہ مسرّت وغرور ہو نہیں سکتی۔ کہ اسے اس کے مرشد و ہادی کے اسم مبارک سے نسبت دی جائے۔ نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ ہر مسلمان بزبان حال وقال فخر ومباہات سے نعرہ بلند کرنے لگا۔

ع محمدی ہوں محمدی ہوں محمدی ہوں محمدی ہوں

اور عیسائی اپنا سا مونہہ لے کر رہ گئے"

ناظرین کرام! بلاحظہ فرمائیں۔ سید صاحب بیان تو یہ کر رہے تھے۔ کہ اگر کسی شخص کو اس کے مرشد کی قوم کی طرف منسوب کر دیا جائے۔ تو یہ امر اس کیلئے وجہ آشفتگی نہیں ہونا چاہیئے۔ مگر اس کیلئے آپنے جو مثال پیش کی ہے۔ وہ اس کے بالکل برعکس ہے یعنی یہ کہ مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک کی طرف منسوب ہونے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اوّل تو یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ محمڈن کہلانے کو مسلمانوں نے کبھی پسند نہیں کیا۔ دوسرے مرشد کی قوم کی طرف منسوب ہونے اور اس کے نام کیطرف منسوب ہونے میں نمایاں فرق ہے۔ مگر سید صاحب نے اسے مدنظر نہیں رکھا۔ پھر آپکی بیان کردہ مثال اس اعتبار سے بھی ناموزون ہے۔ کہ محمدی کہلانے میں تو سب مسلمان برابر کے شریک وسہیم ہیں۔ اس لئے اس پر تو بحث ہی نہیں ہاں اس سے آگے جن امتیازی ناموں سے مختلف اسلامی فرقوں کو یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے

متعلق ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ ہمیں جو نام دیا جاتا ہے۔ تقاضائے انصاف یہ ہے۔ کہ وہ اسی طریق پر دینا چاہیئے۔ جس پر دوسرے فرقوں کے نام تجویز کئے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ سیّد صاحب اہل سنت والجماعت میں سے ہیں۔ اور اپنے آپ کو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی قوم کیطرف منسوب نہیں کرتے۔ بلکہ ان کے نام کی طرف منسوب کرتے ہوئے حنفی کہلاتے ہیں۔ پھر یہ کیا غضب ہے۔ کہ ہمارے معاملہ میں اس اصل کو بُھلا کر ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کیطرف منسوب کیا جاتا ہے ؏

مرشد سے رشتۂ ارادت کی بناء

درحقیقت جب کوئی شخص کسی سے رشتۂ ارادت استوار کرتا ہے۔ تو اسکی وجہ مرشد کی اعلیٰ قومیت یا اس کا رہائشی شہر نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے عقیدت کی وجہ اس کی ذاتی خصوصیات اور رُوحانی کمالات ہوتے ہیں۔ اسی لئے کسی مذہبی جماعت کو اس کے ہادی کی قوم یا بستی کیطرف منسوب نہیں کیا جاتا اسی وجہ سے کسی احمدی کو "قادیانی" یا "مرزائی" کہنا ہرگز پسندیدہ امر نہیں کہلا سکتا ؏

اجداد یا وطن سے نسبت دینا

لفظ "قادیانی" استعمال کرنے کے جواز کی توجیہات بیان کرتے ہوئے سید صاحب فرماتے ہیں (۱) قادیان وہ شہر ہے۔ جس کے متعلق اُن کے ہادی کا اپنا شعر ہے۔

زمین قادیاں اب محترم ہے + ہجوم خلق سے ارض حرم ہے

لہذا کسی صاحب کو قادیان سے نسبت دینا ان کیلئے وجہ دلآزاری نہیں ہو سکتا۔ مجھے اگر کوئی میرے اجداد کی نسبت سے مکی۔ مدنی۔ حجازی۔ عربی یا وطن کی نسبت سے بخاری۔ کشمیری۔ پنجابی ہندوستانی یا ایشیائی کہے۔ تو مجھ پر ایسا خطاب ہرگز گراں نہیں گذرتا" (قسط اوّل)

سید صاحب نے یہ بالکل درست فرمایا۔ کہ اگر کسی شخص کو اس کے اجداد یا وطن کی طرف منسوب کیا جائے۔ تو یہ امر اس کے لئے وجہ دلآزاری نہیں ہونا چاہیئے۔ مگر سوال تو یہ ہے۔ کہ احمدیوں کو جب قادیانی کہا جاتا ہے۔ تو کیا اس میں ان کے اجداد یا وطن کیطرف نسبت دی جاتی ہے؟ نیز اگر کوئی شخص سید صاحب کو مکی۔ مدنی۔ حجازی یا کشمیری کہے۔ تو ایسا خطاب آپ پر تو بیشک گراں نہیں گذریگا۔ مگر ایسا کہنے والے کی بد مذاقی اور جہالت کا ضرور بٹہ لگ جائیگا۔ اسی لئے آج تک کوئی صاحب ذوقِ سلیم تو کجا عوام میں سے بھی کوئی کسی مسلمان کو مکی یا مدنی کہکر نہیں پکارتا۔ ہاں اگر نسبت کرنی ہو۔ تو اس کے وطن کی طرف ہی نسبت کریں گے ؏

آپ لفظ "قادیانی" کے استعمال کی دوسری توجیہہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"خود مرزا صاحب آنجہانی خود کو غلام احمد قادیانی لکھا کرتے تھے . . . . . اندریں صورت ان کے کسی مُرید کے لئے یہ لفظ نہ صرف متہتک ہی نہیں ہو سکتا بلکہ وجہ فخر و مباہات ہونا چاہیئے" (قسط دوم)

سید صاحب کی یہ دلیل بھی اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تو اپنے آپکو اس لئے قادیانی لکھتے تھے۔ کہ آپ قادیان کے باشندہ تھے۔ مگر احمدیوں کو قادیانی کیوں کہا جائے ؟ یہ تو ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی کہے۔ کہ چونکہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کوفی تھے۔ اس لئے تمام حنفیوں کو کوفی کہلانا چاہیئے ؛

علماء اسلام کو سید صاحب کا مشورہ

سید صاحب نے دوسری بات جو اپنی تمہید میں بیان فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ آپ علماء کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"ایسے لوگوں (مدعیان ماموریت) کا علاج صرف اور صرف ایک ہے۔ یعنی یہ کہ ان کیطرف زیادہ توجہ نہ کی جائے۔ جسقدر مہدی پیدا ہوئے وہ سب ناکام رہے۔ سوائے ان کے جن کی مخالفت ہوئی۔ تعداد مخالفت کے تناسب سے انہیں کامیابی ہوئی۔ اور مخالفت کے مٹتے ہی ان کا بازار سرد پڑ گیا۔ ضرورت ہے۔ کہ علماء اسلام . . . تحریک قادیان سے بے پرواہ ہو جائیں" (قسط دوم)

مگر یہ عجیب بات ہے۔ کہ سید صاحب جس بات سے دوسروں کو روک رہے ہیں۔ اس کا نہایت زور شور اور شد و مد کے ساتھ خود ارتکاب کر رہے ہیں۔ کیا سلسلہ احمدیہ کے خلاف ایک طویل سلسلہ مضامین لکھنا تحریک قادیان سے بے پرواہ ہونے کا ثبوت ہے ؟ اور اب ان مضامین کو کتابی شکل میں شائع کرنے کے لئے طول و طویل اشتہار دینے اور خطوط لکھنے کا یہی مقصد ہے۔

سید صاحب کا طریق عمل

اسا سب معلوم ہوتا ہے۔ کہ مذکورہ بالا اشتہار اور جناب سید صاحب کے خاص خط کے چند فقرات اس موقعہ پر درج کر دئے جائیں۔ تا اندازہ ہو سکے۔ کہ دوسروں کو "تحریک قادیان سے بے پرواہ" ہو جانے کا مشورہ دینے والے صاحب کا اپنا طریق عمل کیا ہے۔ اشتہار میں مہتمم صاحب سیاست کیطرف سے لکھا ہے :-

"احباب کرام و عامۃ المسلمین کے مسلسل و پر زور مطالبہ و اصرار سے مجبور ہو کر ہم اس سلسلہ کو کتابی صورت میں شائع کر رہے ہیں۔ فیصلہ کیا گیا ہے۔ کہ کاغذ نفیس ترین لگایا جائے۔ کتاب دیدہ زیب ہو۔ طباعت کا عمدہ سے عمدہ بندوبست کیا جائے۔ اور کتاب کی جلد

بھی مرغوب بنوائی جائے۔ اس کے باوجود اس خیال سے کہ غریب سے غریب مسلمان بھی اسکو خرید سکے۔ اس کی قیمت لاگت کے برابر رکھی جائے گی"

"عام برادران اسلام سے بھی درخواست ہے۔ کہ وہ حتی الامکان زیادہ سے زیادہ نسخے خرید کر کے ہماری وساطت سے یا بطور خود کتاب احمدی احباب میں تقسیم کر کے داخل حسنات ہوں"

کیا اس سے ظاہر نہیں ہے۔ کہ احمدیت کی مخالفت میں مقدور بھر کوشش کی جا رہی اور سارا زور صرف کیا جا رہا ہے ؛

خاص چٹھی

پھر اسی پر اکتفا نہیں کی گئی۔ جناب سید صاحب نے اپنے دستخطوں سے حسب ذیل خاص چٹھی ارسال کی ہے :-

مخدومی السلام علیکم طبتم - کیا آپ براہ کرم تحریر فرما کر ممنون فرمائینگے۔ کہ آپ اس کتاب کا کوئی نسخہ خریدنا چاہتے ہیں۔ یا نہیں۔ اور اگر خریدنا چاہتے ہیں۔ تو کتنے نسخے آپکو درکار ہیں۔ اس کتاب سے کما حقہ فائدہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ کہ یہ ہمارے احمدی دوستوں کے مطالعہ میں آئے۔ اگر آپ چند نسخے خرید کر اپنے مقامی احمدی اصحاب میں تقسیم کر دینگے۔ تو میری دانست میں یہ ایک قابل تعریف اور ثواب کا کام ہے۔

اگر آپ خود کتاب تقسیم نہ کرنا چاہیں۔ تو ادارہ سیاست یہ فرض ادا کرنیکو تیار ہے۔ جسقدر نسخے بھی درکار ہوں۔ ان کی قیمت بحساب ایک روپیہ فی نسخہ علی الحساب ارسال فرما کر ممنون فرمائیے۔ حساب بعد میں ابلاغ خدمت کر دیا جائے گا۔

نیز مجھ پر زور ڈالا جا رہا ہے۔ کہ میں اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کروں۔ اردو کی کتاب کیلئے تو میں نے کسی قسم کی امداد قبول نہیں کی۔ مگر انگریزی کتاب میں بغیر امداد شائع کرنے سے معذور ہوں۔ خرچ کا اندازہ ۳½ سو روپے ہے۔ اگر آپ چاہیں۔ تو اسمیں میرا ہاتھ بٹا کر داخل حسنات ہوں۔ انگریزی کتاب کیلئے جو رقم آپ روانہ کریں۔ اس کا ذکر اپنے گرامی نامہ میں جداگانہ کر دیں ؛

منتظر جواب   آپ کا حبیب

سید صاحب کی مضمون نویسی کی غرض

یہ تو کہا نہیں جا سکتا۔ کہ سید صاحب اپنے مضامین کو کتابی صورت میں "نفیس ترین کاغذ" "دیدہ زیب کتابت" "عمدہ سے عمدہ طباعت اور "مرغوب" جلد کے ساتھ شائع کرنیکا اہتمام احمدیت کو ترقی اور فروغ دینے کے لئے کر رہے ہیں۔ نیز اس کتاب کا انگریزی ترجمہ شائع کرنیکی یہ غرض ہی کہ انگریزی دان طبقہ

ہیں احمدیت کی اشاعت ہو۔ بلکہ یہ ساری جدوجہد اور ساری کوشش احمدیت کی ترقی میں حائل ہونے کیلئے کیجارہی ہے۔ حالانکہ سید صاحب خود ارشاد فرما چکے ہیں۔ کہ "ایسے لوگوں کا علاج صرف اور صرف ایک ہی ہے۔ یعنی یہ کہ اُن کی طرف زیادہ توجہ نہ کی جائے"۔ کیوں ؟ اس لئے کہ "وہ سب ناکام رہے سوائے ان کے جنکی مخالفت ہوئی۔ اور مخالفت کے مٹتے ہی ان کا بازار سرد پڑ گیا"

اگر یہ درست ہے۔ تو پھر کہا جا سکتا ہے۔ کہ سید صاحب نے جو سلسلہ مضامین لکھا۔ اور اب اُسے اعلیٰ درجہ کی کتاب کی صورت میں شائع کر کے اس کی بکثرت اشاعت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اس لئے ہے۔ کہ احمدیت کو خوب ترقی حاصل ہو۔

یہ تو سید صاحب کے خود بیان کردہ اصل کی بنا ءپر گفتگو تھی لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ سید صاحب کی مخالفانہ جدوجہد انشاءاللہ ضرور احمدیت کیلئے مفید ثابت ہوگی۔ کیونکہ اس طرح کئی ایک ایسے لوگوں کو مطالعہ اور تحقیق کی طرف توجہ پیدا ہوگی۔ جو پہلے غفلت میں پڑے ہوئے تھے۔ اور جن کے لئے کسی محرک کی ضرورت تھی۔

مخالفت جھوٹوں کی نہیں بلکہ سچوں کی ہوتی ہے

پھر سید صاحب کا یہ خیال کہ چونکہ جھوٹوں کی مخالفت ہوتی ہے۔ اس لئے انکو فروغ حاصل ہو جاتا ہے۔ واقعات کی رُو سے اپنے اندر ایک شمہ بھر بھی صداقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ جھوٹوں کی کبھی ایسی مخالفت نہیں ہوئی۔ جیسے کہ سچوں کی ہوتی رہی ہے۔ قرآن مجید میں بھی یہی آیا ہے کہ سچوں کی ہمیشہ مخالفت ہوتی ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ (سورہ یٰس ع) یعنی افسوس ان بندوں پر ان کیطرف کوئی رسول نہیں آیا۔ جس سے انہوں نے استہزا نہ کیا ہو۔ نیز فرمایا۔ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ (سورہ فرقان) ہم نے ہر ایک نبی کے دشمن مجرموں سے بنائے۔ پس صادقوں کی یہ علامت ہے۔ کہ اُنکی مخالفت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ دنیا کے سامنے ایسی باتیں پیش کرتے ہیں۔ جو لوگوں کی طبائع کے خلاف ہوتی ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ (سورہ بقرہ) یعنی جب کبھی تمہارے پاس کوئی رسول آیا۔ ایسے احکام لیکر جو تمہاری نفسانی خواہشات کے خلاف تھے۔ تو تم نے تکبر کیا۔ ایک فریق کی تم نے تکذیب کی۔ اور دوسرے کو قتل کرنیکا ارادہ کیا۔ پس خدا تعالےٰ کی قدیم سے یہی سنت ہے۔ کہ ایکطرف تو وہ اپنے انبیاء کو مخالفتوں کے تلاطم خیز طوفان میں دشمنوں

کے سپرد کر دیتا ہے۔ اور دوسری اُنکی معجزانہ طریق پر حفاظت کرتا ہے۔ اور ترقی دیتا ہے۔ تا وہ دنیا پر ظاہر کرے۔ کہ ایک زندہ اور قادر و قیوم خدا موجود ہے۔ جو اپنے بندوں کی نصرت اور مدد کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت آدم سے لے کر آجتک جتنے نبی آئے۔ اہل دنیا نے سب کی مخالفت کی۔ اور ہر طرح سے انہیں ناکام رکھنے کی کوششیں کیں۔ مگر بتاؤ آخر کار کامیاب کون ہوا۔ اور ناکام کون ؟

اصل بات یہ ہے۔ کہ ابتداءً نبی کے مخالفین یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ ہم اپنے زور اور طاقت کے بل پر اسے فنا کر دینگے۔ یہ ایک کمزور پودا ہے۔ اور ہماری مخالفت کا ایک ہی تُند جھونکا اس کی بیخ کنی کیلئے کافی ہوگا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد انہیں جب یہ محسوس ہونے لگتا ہے۔ کہ ہماری مخالفت اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکی۔ اور اسے روز بروز کامیابی حاصل ہو رہی ہے۔ تو وہ تھک کر بیٹھ جاتے ہیں۔ مگر خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ إِنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ۝ یعنی ہم ان کو بیٹھنے نہیں دیتے۔ بلکہ شیاطین کو ان پر چھوڑ دیتے ہیں۔ جو انکو مخالفت کرنے کیلئے اُکساتے رہتے ہیں۔ کیونکہ اگر نبی کی مخالفت نہ ہو۔ تو دنیا کو یہ کیسے معلوم ہو۔ کہ اس کا خدا تعالےٰ کیساتھ تعلق ہے۔ اور خدا تعالیٰ اُسکی مدد کر رہا ہے۔ پس یہ ناممکن ہے۔ کہ دنیا میں نبی آئے۔ اور لوگ اسکی مخالفت نہ کریں۔ ظاہرا طور پر مخالفین یہ محسوس کرنے لگ جاتے ہیں۔ کہ اسکی مخالفت میں ہمیں چونکہ ہر موقع پر شکست ہوئی ہے۔ اور اسے فتح۔ اس لئے اسکی ترقی روز افزوں ہے۔ لہذا ہمیں اسکی مخالفت نہیں کرنی چاہیئے۔ مگر خدا تعالیٰ کا غیبی ہاتھ انہیں چین سے بیٹھنے نہیں دیتا! اور وہ مخالفت کو ترقی کا باعث سمجھتے ہوئے مخالفت کرنے لگجاتے ہیں۔ اور پھر خدا تعالیٰ دنیا کو أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ - أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ کا نظارہ دکھا کر صراط مستقیم کیطرف راہ نمائی کرتا ہے۔ یہی نظارہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخالفین کی وجہ سے رُونما ہو رہا ہے ۞

ظاہری شان و شوکت اور جماعت احمدیہ

سید صاحب بحوالہ "عشرہ کاملہ" چند "جھوٹے مدعیانِ نبوت و مہدویت" کا ذکر کرکے لکھتے ہیں :-

"علمبرداران تحریک قادیان کی ثروت۔ وجاہت و تمکنت بھی انکی صداقت کی ایک دلیل بن گئی ہے۔ مگر جن مدعیان نبوت کا مختصر حال اس سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے۔ انکی شوکت و ثروت و تمکنت اور انکا جاہ و جلال قادیان سے لاکھوں گنا بڑھا ہوا تھا۔ لہذا ظاہری شوکت سے مرعوب ہونا درست نہیں"

معلوم نہیں کہ سید صاحب کو یہ لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ جبکہ حالات یہ ہیں۔ کہ ثروت اور

ظاہری شان و شوکت کے لحاظ سے جماعت احمدیہ اپنے آپ کو بالکل ابتدائی حالت میں سمجھتی ہے۔ ہاں یہ علیحدہ امر ہے۔ کہ دوسروں کو باوجود اس کے کہ ان میں بڑے بڑے ذی ثروت۔ صاحب وجاہت بلکہ بادشاہ پائے جاتے ہیں۔ اسلام کی خدمت کرنیکی وہ توفیق نہیں ملی۔ جو اس قلیل اور غرباء کی جماعت کو ملی۔ جماعت احمدیہ کے کارناموں نے دنیا کو حیران کر دیا ہے ؛ وذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

جھوٹوں اور سچوں کی ترقی میں مابہ الامتیاز

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کی ترقی اور حضور کے نام کی عزت اس لحاظ سے صداقت کی دلیل ہے۔ کہ وہ مخالف حالات میں اور حضور کی پیشگوئیوں کے مطابق ہوئی ہے۔ جیساکہ دیگر انبیاء کی ہوئی۔ اور ایسی ترقی اور عزت کو قرآن مجید نے مدعی نبوت کی صداقت کی دلیل قرار دیا ہے۔ جیساکہ فرمایا۔ اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا اَفَهُمُ الْغَالِبُوْنَ (انبیاء ع) نیز فرمایا۔ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ (سورہ مجادلہ) یعنی جب کوئی نبی آتا ہے۔ تو اس میں اور اس کے مخالفوں میں ایک سخت مقابلہ ہوتا ہے۔ مگر آخر کار رسول غالب آجاتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ زمین کے کناروں سے لوگوں کو لاکر اسکے قدموں میں ڈال دیتا ہے۔ اس کے متبعین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اور مخالفین کی تعداد کم ہوتی جاتی ہے ؛

سیّد صاحب نے جن جھوٹے مدعیان نبوت و مہدویت کا ذکر کیا ہے۔ ان کو جو چند روزہ ظاہری ترقی حاصل ہوئی۔ (اگر اُسے ترقی کہا جاسکتا ہے) اُسے سچے انبیاء کی ترقی کیساتھ کوئی نسبت نہیں ہے۔ کیونکہ جیساکہ ان کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے۔ انکی اس ترقی کی عمر بہت تھوڑی تھی۔ چند دنوں کے بعد انکا نام صفحۂ دنیا سے مٹا دیا گیا۔ بس یہ ترقی ان کے تنزل اور ذلت کا پیش خیمہ تھی۔ دوئم یہ کہ انکی یہ ترقی مخالف حالات میں نہ تھی۔ اور تیسری چیز جو انکی ترقی اور سچے انبیاء کی ترقی میں مابہ الامتیاز ہے۔ یہ ہے۔ کہ سچے انبیاء ایسے وقت میں جبکہ ساری دنیا ان کی بیخکنی کے درپے ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ سے قبل از وقت اطلاع پاکر اپنی آئندہ ترقی کی پیشگوئی کرتے ہیں۔ اس کی تفصیلات اور حالات کا اعلان کر دیتے ہیں۔ مگر جھوٹوں کی چند روزہ ترقی اتفاقی امر ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے کے بعد ابتدائی ایام کے حالات پر نظر کرکے ذرا آج کے حالات سے ان کا مقابلہ کرو۔ تو دونوں میں ایک بہت عظیم الشان فرق پاؤ گے۔ جماعت احمدیہ کی مکمل تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ مخالفوں کی شدید مخالفتوں کے باوجود اللہ تعالےٰ

نے اس پودے کو آہستہ آہستہ بڑھاتے ہوئے "اب ایک تناور درخت" بنا دیا ہے۔ اسکی شاخیں ایک طرف چین میں اور دوسری طرف یورپ میں پھیلتی ہوئی نظر آتی ہیں"

(زمیندار مورخہ ۹ راکتوبر ۱۹۳۲ء)

یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت کی یہ ترقی اتفاقی نہیں۔ بلکہ اس کا تمام نقشہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قبل از وقت دکھا دیا گیا تھا۔ اور حضور نے ایسے زمانہ میں جبکہ جماعت کی ابتدائی حالت کو دیکھتے ہوئے کوئی انسان یہ خیال نہیں کرسکتا تھا۔ کہ اسے اتنی ترقی حاصل ہوگی۔ خدا تعالیٰ سے اطلاع پاکر اسکی خبر دی تھی۔ اور آپکی پیشگوئیوں کے عین مطابق اسی طرح واقعہ ہوا۔ جس طرح حضور نے ظاہر فرمایا تھا۔

مصنف عشرہ کاملہ کی اندھا دھند تقلید

مضمون کو شروع کرتے وقت سید صاحب کا اندازہ یہ تھا۔ کہ آپ اسے "دو تین اقساط میں" مکمل کرلیں گے مگر جوں جوں ان کو سلسلہ احمدیہ کے مخالفین کی کتابیں ملتی گئیں۔ آپ پر نئے امور کا انکشاف ہوتا گیا۔ اور قسط چہارم میں جہاں پہلے اندازہ کے مطابق مضمون ختم ہوجانا چاہیئے تھا۔ آپنے اعلان کر دیا۔ کہ یہ سلسلہ کئی اقساط میں ختم ہوگا۔ مخالفین کی دوسری کتابوں کے متعلق تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر "عشرہ کاملہ" کے مصنف کی اندھا دھند تقلید اور نقل نے سید صاحب کے مضامین کی اہمیت کو سمجھدار اصحاب کی نظروں سے بالکل گرا دیا ہے۔ ہم نے تمہید میں سید صاحب کی "عشرہ کاملہ" سے نقل کی چند مثالیں پیش کی تھیں۔ ناظرین ان میں ایک اور کا اضافہ کرلیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ازالہ اوہام میں تحریر فرمایا ہے۔ "میرے دل میں ڈالا گیا ہے۔ کہ اس وقت بجز اس عاجز کے تمام دنیا میں غلام احمد قادیانی کسی کا نام نہیں"۔ حضور کے اس ارشاد پر عشرہ کاملہ کے مصنّف نے قاضی فضل احمد لدھیانوی کی کتاب "کلمہ فضل رحمانی" کے حوالہ سے لکھا ہے۔ یہ دعویٰ غلط ہے۔ کیونکہ ضلع گورداسپور میں ایک اور گاؤں قادیان کے نام سے ہے جس میں ایک اور شخص غلام احمد قادیانی رہتا تھا۔ سید صاحب عشرہ کاملہ کی نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں "مرزا صاحب کا یہ خیال صحیح نہ تھا۔ ...... اس لئے کہ ...... ضلع گورداسپور میں تین قادیان ہیں۔ جن میں سے ایک میں مرزا صاحب رہتے تھے۔ اور ایک اور قادیان میں غلام احمد قادیانی ایک اور شخص تھا۔ جو قریشی قوم میں سے تھا۔ اور مرزا صاحب کا ہم عمر تھا"۔ "کتاب کلمہ فضل رحمانی" جس سے یہ حوالہ نقل در نقل کیا گیا ہے۔ اس کے مصنف قاضی فضل احمد صاحب نے اس میں سلسلہ احمدیہ کے متعلق اسقدر کذب بیانی

سے کام لیا ہے۔ کہ جب یہ کتاب ایک مقدمہ کے دوران میں جو مصنف کی طرف سے سکرٹری انجمن احمدیہ لدھیانہ کے خلاف دائر کیا گیا تھا۔ زیر بحث آئی۔ تو جناب شیخ اصغر علی صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ و ڈپٹی کمشنر لدھیانہ نے اپنے فیصلہ میں اس کے متعلق لکھا "ایک مسلمان جو نہ تو قادیان کے نبی کا پیرو ہے۔ اور نہ ہی مستغیث کی طرح دیوانہ سُنّی ہے۔ صاف طور پر یہ دیکھ سکتا ہے۔ کہ جو الزامات مستغیث نے اپنی کتاب "کلمہ" میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی پر لگائے ہیں۔ وہ جھوٹے اور توڑے مروڑے ہوئے ہیں" جس کتاب کی ایک معزز اور غیر جانبدار شخص کے نزدیک یہ حقیقت ہو۔ اور جس کا اظہار اس نے مسند عدل و انصاف پر بیٹھکر نہایت ذمہ وارانہ طور پر اس طرح کیا ہو۔ اسمیں بلا ثبوت جو لکھا گیا۔ اُسکی معقولیت کا اندازہ ہر صاحب عقل و دانش بآسانی لگا سکتا ہے۔ لیکن افسوس کہ سید صاحب نے اسی کی بنا پر یہ اعتراض پیش کر دیا ؛

کیا سید صاحب اس دعویٰ کی کوئی قوی دلیل پیش کرنے یا واقعات کی رُو سے اسے ثابت کرنیکی تکلیف فرمائیں گے۔ ضلع گورداسپور کے جس قادیان میں غلام احمد قادیانی کسی شخص کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہاں سے اس کا ثبوت بہم پہنچانا کوئی مشکل کام نہیں۔ ہمارا دعوےٰ یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس وقت یہ لکھا۔ اس وقت "غلام احمد قادیانی" کے نام سے کوئی اور شخص مشہور نہ تھا۔

سید صاحب نے اپنے ابتدائی مضمون میں جو تمہیدی امور ذکر کئے تھے۔ اُن کے جواب دے دئے گئے ہیں۔ اور اب انشاء اللہ تعالےٰ ان کے پیشکردہ مخالفانہ دلائل پر بحث ہوگی ؛ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

سید حبیب صاحب کی پہلی دلیل کی حقیقت

(۱)

اب میں سید حبیب صاحب کے ان دلائل کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ جو انہوں نے احمدیت کے خلاف پیش کئے ہیں۔ اور آج ان کی پہلی دلیل کی حقیقت بتائی جاتی ہے۔

سید صاحب نے اپنے مضامین میں احمدیت کے متعلق اصولی بحث کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے جو بے اصولی بحث کی ہے۔ وہ بھی سطحی معلومات پر مبنی ہے۔ آپکے مضامین کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ معروف اسلامی مسائل سے بھی آپکو پوری طرح واقفیت نہیں۔ طریق استدلال نہایت درجہ بودا ہے۔ آپ ثابت کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ اور دلیل کوئی اور بیان کرتے ہیں۔ آئندہ اشاعتوں میں اسکی بہت سی مثالیں ناظرین کی خدمت میں پیش کیجائینگی۔ انشاء اللہ

سید صاحب کی پہلی دلیل

سید صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے (نعوذ باللہ) جھوٹے ہونیکی سب سے پہلی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قرآن مجید کے ماننے والوں کو اس حقیقت پر ناز ہے . . . . . کہ دنیا میں الہامی کتابوں کے ماننے والوں میں صرف مسلمان ایسے ہیں جنکا ایمان ایسی کتاب پر ہے۔ جس کے مقابل میں کوئی اور تصنیف نہیں ہوسکتی۔ قرآن پاک کا اپنا دعوےٰ ہے۔ کہ اسکی آیتوں کیطرح کی دس آیتیں بھی کوئی نہیں لکھ سکتا۔ . . . . . اسلام دشمنوں سے گھرا ہوا ہے۔ اسکو غلط ثابت کرنے کیلئے امریکہ اور یورپ کے قارونوں کا روپیہ پانی کیطرح بہ چکا۔ اور پادریوں نے کوئی کوشش اٹھا نہ رکھی۔ مگر اس کی ایک للکار کا جواب نہ دے سکے۔ وہ للکار کیا ہے۔ ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فأتوا بسورۃ من مثله الآیہ . . . . . پس جس مسلمان کی نگاہوں میں قرآن پاک کی یہ خوبی کھب چکی ہو۔ وہ کسی مدعیٔ نبوت کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ جبتک کہ وہ مدعیٔ الہام ایسا بیان اور ایسی زبان نہ لائے۔ جس کا دنیا میں جواب نہ ہو۔ مرزا صاحب کی تحریروں کو میں نے بغور پڑھا ہے . . . . . مجھ ایسا ہیچمدان بھی یہ دیکھکر پریشان ہو جاتا ہے کہ مرزا صاحب کی تحریر مبتذل اور بیش پا افتادہ اغلاط سے پُر ہے۔ ان کی تحریروں میں عربی فارسی اور اُردو استعمال کیا گیا ہے۔ جو لوگ عربی سے واقف ہیں۔ ان کی عربی میں فاش غلطیاں دکھا سکتے ہیں۔ فارسی کا بھی یہی حال ہے۔ لیکن میں اُردو کے متعلق وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ میں

ان کی تحریر کو نہایت معمولی اغلاط سے مملو پاتا ہوں۔ اور من حیث الکل بھی نہ انکی تحریر معجز نما ہے۔ اور نہ پُر زور۔ مثلاً ان کی کتاب تریاق القلوب کے صفحہ ۳۳ میں انہوں نے اپنی قلم کے الفاظ استعمال کر کے تذکیر و تانیث کی ایک نہایت ہی بیش پا افتادہ غلطی کی ہے۔ حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۵۵ پر "سُرخی کی قلم" الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ اور ایک موقعہ پر" ہوش آئی" کے الفاظ لکھکر آپ نے ادبی اغلاط کا بدترین نمونہ پیش کیا ہے۔ عبارت کے طویل نمونے مبتذل طرز تحریر کے ثبوت میں پیش کرنا نہیں چاہتا۔ ورنہ مرزا صاحب کی تحریر سے ایسے نمونے متعدد پیش کئے جا سکتے ہیں۔ حق تو یہ ہے۔ کہ ساری تحریر کا معیار ادب بہت ادنیٰ ہے۔ اور ادبی لحاظ سے تحریر کی خوبی کا نمونہ کہیں شاذ و نادر ہی نظر آتا ہے۔ شاید کہا جائے۔ کہ ادبی چٹخاروں سے مذہب کو کیا واسطہ۔ لہذا میں پھر عرض کروں گا۔ کہ قرآن پاک نے جو ہمارے مذہب کی بنا ہی زبان کو معیار صداقت مذہب قرار دیکر اس کا دعویٰ کیا ہے۔ پس اسکی اہمیت کو گھٹانا قرآن پاک کے ایک اصول کو نظر انداز کرنا ہے۔" (قسط چہارم)

اندازِ تحریر

ناظرین! سید صاحب نے مذکورہ بالا سطور میں جن علمی اور ادبی حقائق و معارف کا اظہار فرمایا ہے۔ انہیں جانے دیجئے۔ ذرا اس تحریر کی روشنی میں" الفضل" کا وہ نوٹ دیکھ لیا جائے۔ جس کے متعلق سید صاحب نے یہ چیلنج کیا تھا۔ کہ اس کا میری تحریرات سے مقابلہ کیا جائے۔ اور جس میں یہ لکھا گیا تھا۔ کہ" سید حبیب صاحب آف سیاست نے تحریک قادیان کے عنوان سے اپنے اخبار میں ایک سلسلہ مضامین شروع کر رکھا ہے جس کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ کہ بعض مخالفین سلسلہ نے اس وقت تک احمدیت کے خلاف جو بیہودہ سرائی کی ہوئی ہے۔ اس میں اپنی غیر مربوط اور بے ڈھنگی عبارت آرائی کے پیوند لگا کر پیش کیا جا رہا ہے۔" اور پھر فیصلہ کریں۔ کہ کیا ایسی دلآزار تحریرات کی موجودگی میں انہیں یہ حق پہنچتا ہے۔ کہ اپنی تہذیب و متانت کا ڈھول پیٹیں ؟

خدا اور نبی کے کلام میں فرق

سید صاحب نے معیار تو یہ پیش کیا۔ کہ مدعی نبوت کی وحی کی زبان فصیح ہونی چاہیئے۔ کیونکہ وہ بے مثال اور لاشریک ہستی کیطرف سے نازل ہوتی ہے۔ اور اس کی مثال میں آپ نے وحیٔ الٰہی یعنی قرآن مجید کو پیش کیا۔ مگر نہ معلوم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اسے چسپاں کرتے ہوئے آپکو یہ کیا سُوجھی۔ کہ حضور کے اپنے کلام پر اعتراض کرنا شروع کر دیا۔ یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے

اپنے کلام کو قرآن مجید کی وحی کے مقابلہ پر رکھدیا۔ حالانکہ اوّل الذکر انسانی کلام ہے۔ اور ثانی الذکر الہام الٰہی اور وحی متلو ہے۔ اسوجہ سے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ سید صاحب قرآن مجید کے بینظیر کلام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔" جس طرح اس کتاب کا مصنف لاشریک و بے مثال ہے۔ اسی طرح اس کتاب کے مقابلہ میں کوئی اور کتاب تصنیف نہیں ہو سکتی"۔ خدا تعالےٰ کے متعلق" مصنف" اور قرآن مجید کے متعلق" تصنیف" کے الفاظ غالباً پہلی دفعہ سید حبیب صاحب ہی نے اپنی قادر الکلامی کے صدقے میں استعمال کئے ہیں۔ اور اس طرح یہ بتایا ہے۔ کہ قرآن مجید کا بینظیر کلام اس کے مصنف (خدا تعالےٰ) کے لاشریک و بے مثال ہونیکی دلیل ہے۔ پس اسیطرح اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ دعوے ہوتا۔ کہ آپ لاشریک اور بے مثال ہیں۔ تو بیشک آپ کے کلام کو قرآن مجید کے کلام کیطرح بے مثال ہونا چاہیئے تھا۔ اور اس صورت میں سید صاحب کا اعتراض بھی درست ہوتا۔ مگر موجودہ صورت میں یہ بالکل بے معنی اعتراض ہے۔ نبی کے اپنے کلام اور کلام الٰہی میں فرق ہونا ضروری ہے اور یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ دونوں برابر ہوں۔

خدا کے قول سے قولِ بشر کیونکر برابر ہو + وہاں قدرت یہاں درماندگی فرق نمایاں ہے

مگر سید صاحب انکو ایک ہی ترازو میں تول رہے ہیں۔ حالانکہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن پر قرآن مجید نازل ہوا۔ ان کے اپنے کلام میں جو احادیث کی صورت میں موجود ہے۔ اور قرآن مجید میں ایسا نمایاں اور بَیّن فرق ہے۔ کہ کوئی مسلمان انہیں مساوی درجہ نہیں دے سکتا۔ پھر دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے کلام کے متعلق خدا تعالیٰ سے عرض کرتے ہوئے کہتے ہیں هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ (قصص) کہ ہارون مجھ سے زیادہ فصیح ہے۔ نیز یہ کہ لَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ (شعراء) میری زبان میں روانی نہیں۔ چنانچہ فرعون بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اعتراض کرتا ہوا کہتا ہے۔ لَا يَكَادُ يُبِيْنُ ( ) یعنی کیا ایسا شخص بھی نبی ہو سکتا ہے۔ جو وضاحت اور فصاحت سے بات بھی بیان نہ کر سکے۔ اب غور طلب بات یہ ہے۔ کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی زبان سے خدا تعالےٰ کے سامنے یہ اقرار کرنے کے باوجود کہ میری زبان میں روانی نہیں۔ نبی ہو سکتے ہیں۔ اور عظیم الشان نبی ہوئے ہیں۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان دانی پر سید صاحب کا اعتراض کیا حقیقت رکھتا ہے۔ اور اس سے آپ کی صداقت پر کیا حرف آ سکتا ہے۔ سید صاحب کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان دانی اور فصاحت بیانی پر بعینہٖ وہی اعتراض ہے۔ جو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کیا تھا۔ سچ ہے۔ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ

لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ (حٰمٓ سجدہ) یعنی اے رسول تجھ پر مخالفین وہی اعتراض کرتے ہیں۔ جو پہلے انبیاء پر اُن کے مخالفین کرتے رہے۔

انشاء پردازی میں خدا تعالیٰ کی اعجاز نمائی کا مطلب

معلوم ہوتا ہے۔ اپنے اعتراض کی کمزوری کا خود سید صاحب کو بھی احساس ہوا۔ اس لئے انہوں نے اپنے اعتراض کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسب ذیل الفاظ سے تقویت دینے کی کوشش کی۔

"یہ بات بھی اس جگہ بیان کر دینے کے لائق ہے۔ کہ میں خدا تعالیٰ کی اعجاز نمائی کو انشاء پردازی کے وقت بھی اپنی نسبت دیکھتا ہوں۔ کیونکہ جب میں عربی میں یا اردو میں کوئی عبارت لکھتا ہوں۔ تو میں محسوس کرتا ہوں۔ کہ کوئی اندر سے مجھے تعلیم دے رہا ہے"

لیکن افسوس کہ یہ الفاظ پیش کرتے ہوئے اس کے ساتھ کی درمیانی عبارت چھوڑ کر بعد کے چند فقرات پیش کر دئے گئے۔ اس طرح انشاء پردازی کے وقت خدا تعالیٰ کی اعجاز نمائی کی جو تشریح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمائی ہے۔ اسے دیدہ و دانستہ اپنے ناظرین سے پوشیدہ کر دیا گیا ہے۔ ذیل میں وہ عبارت درج کی جاتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"ہمیشہ میری تحریر گو عربی ہو یا اُردو یا فارسی دو حصہ پر منقسم ہوتی ہے۔ (۱) ایک تو یہ کہ بڑی سہولت سے سلسلہ الفاظ اور معانی کا میرے سامنے آتا جاتا ہے۔ اور میں اسکو لکھتا جاتا ہوں۔ اور گو اس تحریر میں مجھے کوئی مشقت اٹھانی نہیں پڑتی۔ مگر دراصل وہ سلسلہ میری دماغی طاقت سے کچھ زیادہ نہیں ہوتا۔ یعنی الفاظ اور معانی ایسے ہوتے ہیں۔ کہ اگر خدا تعالیٰ کی ایک خاص رنگ میں تائید نہ ہوتی۔ تب بھی اسکے فضل کیساتھ ممکن تھا۔ کہ اسکی معمولی تائید کی برکت سے جو لازمہ فطرت خواص انسانی ہے۔ کسی قدر مشقت اٹھا کر اور بہت سا وقت لیکر ان مضامین کو میں لکھ سکتا۔ واللہ اعلم۔ دوسرا حصہ میری تحریر کا محض خارق عادت کے طور پر ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ جب میں مثلاً ایک عربی عبارت لکھتا ہوں۔ اور سلسلہ عبارت میں بعض ایسے الفاظ کی حاجت پڑتی ہے۔ کہ وہ مجھے معلوم نہیں۔ تب انکی نسبت خدا تعالیٰ کی وحی راہ نمائی کرتی ہے۔ اور وہ الفاظ وحی متلو کیطرح روح القدس میرے دل میں ڈالتا ہے۔ اور زبان پر جاری کرتا ہے۔ اُسوقت میں اپنی حس سے غائب ہوتا ہوں۔ مثلاً عربی عبارت کے سلسلہ تحریر میں مجھے ایک لفظ کی ضرورت پڑی۔ جو ٹھیک ٹھیک بسیاری عیال کا ترجمہ ہے۔ اور وہ مجھے معلوم نہیں۔ اور سلسلہ عبارت اس کا محتاج ہے۔ تو

فی الفور دل میں وحی متلو کی طرح لفظ ضفف ڈالا گیا۔ جس کے معنی ہیں بسیاری عیال۔ یا مثلاً سلسلہ تحریر میں مجھے ایسے لفظ کی ضرورت ہوئی۔ جس کے معنی ہیں۔ غم و غصہ سے چُپ ہو جانا۔ اور مجھے وہ لفظ معلوم نہیں۔ تو فی الفور دل پر وحی ہوئی۔ کہ وجوم۔ ایسا ہی عربی فقرات کا حال ہے۔ عربی تحریروں کے وقت میں صدہا بنے بنائے فقرات وحی متلو کی طرح دل پر وارد ہوتے ہیں۔ اور یا یہ کہ کوئی فرشتہ ایک کاغذ پر لکھے ہوئے وہ فقرات دکھا دیتا ہے۔ اور بعض فقرات آیات قرآنی ہوتے ہیں۔ یا اُن کے مشابہ کچھ تھوڑے تصرف سے اور بعض اوقات کچھ مدت کے بعد پتہ لگتا ہے۔ کہ فلاں عربی فقرہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے برنگِ وحی متلو القاء ہُوا تھا۔ وہ فلاں کتاب میں موجود ہے۔ چونکہ ہر ایک چیز کا خدا مالک ہے۔ اس لئے وہ یہ بھی اختیار رکھتا ہے۔ کہ کوئی عمدہ فقرہ کسی کتاب کا یا کوئی عمدہ شعر کسی دیوان کا بطور وحی میرے دل پر نازل کرے" (نزول المسیح صفحہ ۵۶ و صفحہ ۵۷)

یہ ہے وہ اعجاز جسکا دعویٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی انشاء پردازی کے متعلق کیا ہے۔ نہ یہ کہ اپنی تحریرات کے ہر ایک لفظ ہر ایک فقرہ اور ہر ایک محاورہ کے متعلق آپنے یہ دعویٰ کیا ہے۔ اور جب یہ صورت ہے۔ تو سید صاحب کے اس اعتراض کو کہ "مرزا صاحب کی تحریر مبتذل اور پیش پا افتادہ اغلاط سے پُر ہے۔ اس حوالہ سے کچھ بھی تقویت حاصل نہیں ہو سکتی۔ دراصل انشاء پردازی میں اعجاز وہی چیز ہے۔ جسکی تشریح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی مندرجہ بالا عبارت میں فرمائی ہے۔ نہ یہ کہ سید حبیب صاحب کے سے انشاء پرداز بعض الفاظ جس طرح استعمال کرتے ہوں۔ اس طرح استعمال کا نام ؛

متحدیانہ تصانیف

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصانیف کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اوّل وہ جن کے متعلق آپنے اپنے مخالفین کو تحدّی کی ہے۔ کہ انکی مثل لاؤ۔ مثلاً اعجاز المسیح اور اعجاز احمدی میں پیر مہر علی صاحب گولڑوی اور مولوی ثناء اللہ صاحب کو خصوصاً اور دوسرے علماء کو عموماً مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ ان کا جواب لکھو۔ اور ساتھ ہی بطور پیشگوئی یہ بھی فرمایا۔ "خدا تعالیٰ انکی قلموں کو توڑ دیگا۔ اور ان کے دلوں کو غبی کر دیگا"۔ (اعجاز احمدی صفحہ ۲۷) نیز فرمایا۔ مَنْ قَامَ لِلْجَوَابِ وَتَنَمَّرَ فَسَوْفَ يَرٰى اَنَّهٗ تَنَدَّمَ وَتَذَمَّرَ (یعنی جو جواب دینے کیلئے کھڑا ہوگا۔ وہ نادم ہو کر رہ جائیگا۔ ایسے غیرت دلانے والے الفاظ کے علاوہ جواب لکھنے والے کیلئے آپ نے ہزاروں روپے انعام بھی مقرر کیا۔ اور مخالفین کو ہر طرح سے اکسایا۔ مگر ؎

ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے
آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند

مولوی صاحبان آپکو علوم عربیہ سے جاہل اور ناواقف کہیں۔ آپکی عربی تحریرات میں غلطیاں بتائیں۔ مگر کیا اس بات سے یہ ثابت ہو سکتا ہے۔ کہ آپکو واقعی عربی نہ آتی تھی۔ غلطیاں بتانا بہت آسان کام ہے۔ غلطیاں تو عیسائی مصنفین بھی قرآنمجید میں قرار دیتے ہیں۔ پادری عماد الدین کی کتاب "ہدیۃ المسلمین" اور پادری اکبر مسیح کی کتاب "تنویر الاذہان فی فصاحۃ القرآن" دیکھ لی جائے۔ ان میں بزعم خود قرآنمجید کی سینکڑوں غلطیاں نکالی گئی ہیں۔ مگر کیا اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ قرآن مجید خدا تعالیٰ کا کلام نہیں۔ دیکھنا تو یہ ہے۔ کہ کیا تحدّی کرنے پر کوئی اسکی مثل لاسکا۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عربی تحریر میں غلطیاں تھیں۔ تو ان مولویوں کیلئے زیادہ آسان بات تھی۔ کہ اسکی مثل چھوڑ اس سے اعلیٰ کلام لے آتے۔ مگر ان کا مقابل پر نہ آنا اس بات کی دلیل ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دعویٰ میں سچے تھے۔ اور آپکو خدا تعالیٰ نے اعجازی کلام عطا کیا۔

ایک بہت بڑی دلیلِ صداقت

ایک حقیقت بین نگاہ کیلئے اس سے بڑھکر دلیل صداقت کیا ہو سکتی ہے۔ کہ ایک ایسا شخص جس نے ظاہری مکاتب میں تعلیم حاصل نہ کی۔ اگر کی تو نہ ہونے کے برابر۔ پھر ایک ایسی بستی سے جو گوشۂ گمنام تھی۔ جہاں کوئی علمی چرچا نہ تھا۔ ایک ایسی زبان میں جو اسکی مادری نہیں۔ تحریریں شائع کرتا۔ اور تمام دنیا کو مقابلہ کیلئے چیلنج کرتا ہوا ھَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ کا نعرہ بلند کرتا ہے۔ مگر غیر اہل زبان تو کیا۔ اہل زبان بھی مقابلہ کی تاب نہ لاسکے۔ کیا یہ ایک معمولی بات ہے۔ لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ تو کفار عرب بھی کہتے تھے۔ یعنی یہ کہ اگر ہم چاہیں۔ تو اس قرآن کی مثل لے آئیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے۔ کہ واقعات کی رُو سے کیا ثابت ہوتا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی دوسری تصانیف

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصانیف کا دوسرا حصہ وہ ہے۔ جس کے متعلق حضور نے تحدی نہیں کی۔ مگر میں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں۔ کہ یہ تصنیفات بھی اپنے اندر معجزانہ شان رکھتی ہیں۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ کوئی شخص بھی حضورؑ کی تصنیفات کے کسی مقام کو جس میں آپنے اسلام کی صداقت اور اسلام کے کمالات بیان فرمائے ہیں۔ اپنے الفاظ میں بیان کر کے اس مفہوم کو اس شان اور خوبی سے ادا نہیں کر سکتا۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں پائی جاتی ہے۔

تحریر کا کمال

سیّد صاحب شاید تحریر کا کمال یہ سمجھ بیٹھے ہیں۔ کہ اس میں تکلفاً موٹے موٹے الفاظ لائے جائیں۔ تاکہ لوگوں پر لکھنے والے کی علمیت کا رعب پڑے۔ حالانکہ تحریر کا کمال یہ ہے۔ کہ زبان نہایت سادہ سلیس اور عام فہم ہو۔ اور باوجود اس کے اپنے مفہوم کو

نہایت وضاحت سے ادا کیا گیا ہو۔ حضرت مسیح موعودؑ ایک مصلح اور ریفارمر تھے۔ آپکا کام یہ تھا۔ کہ ہر قسم کی استعداد کے لوگوں کی روحانی اصلاح کریں۔ اس لئے آپکا طرز تحریر ایسا سادہ اور عام فہم ہے۔ کہ ایک معمولی پڑھا لکھا بھی اُسے بآسانی سمجھ سکتا۔ اور بیان کردہ مضمون کی گہرائی تک پہنچ سکتا ہے۔ آج سید صاحب جس زبان کو مبتذل قرار دے رہے ہیں۔ اس نے دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ اس میں ایک جادو کا اثر تھا۔ جس نے اپنی خوبیوں کے باعث ایک عالم کو مسحور کر لیا۔ جس نے ہزاروں اور لاکھوں قلوب میں ایک عظیم الشان روحانی تغیر پیدا کر دیا۔ اور قیامت تک پیدا کرتی چلی جائیگی۔ دنیا کو اس فصیح انسان سے کیا فائدہ جو کل پیدا ہوا۔ اور آج بغیر اس کے کہ اسکی فصاحت نے دنیا میں کوئی عملی اثر و تغیر پیدا کیا۔ مر گیا۔ زبان کی خوبی کو اُس کے اثرات سے پرکھنا چاہیئے۔ نہ کہ الفاظ سے۔ پس سید صاحب نے زبان کی فصاحت کا جو معیار سمجھ رکھا ہے۔ وہ بالکل غلط ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ جس دقیق سے دقیق اور مشکل سے مشکل مضمون کو بیان فرمانا چاہتے۔ اسے نہایت آسانی سی روانگی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اور اس میں آپ کو کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔ آج کل کے بعض لوگ جو اپنے آپکو ادیب سمجھے بیٹھے ہیں۔ یا جنھیں لوگ ادیب بنائے بیٹھے ہیں۔ جب کسی معمولی موضوع پر بھی کچھ لکھنے بیٹھتے ہیں۔ تو گھنٹوں صرف کر دیتے ہیں۔ اور سوائے چند سطور کے کچھ نہیں لکھ سکتے۔ حالانکہ انہوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ تعلیم حاصل کرنے اور لکھنے کی مشق کرنے میں گذارا ہوتا ہے مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے باوجود اس کے کہ کہیں انشاء پردازی کی تعلیم حاصل نہیں کی۔ ایک چھوٹے سے گاؤں میں بیٹھے بیٹھے ایسے ایسے علوم اور حقائق و معارف کے دریا بہا دئے۔ کہ دنیا حیران رہ گئی۔ آپکی مستقل تصنیفات کی تعداد اسّی ۸۰ کے قریب ہے۔ جن میں عربی کی تصانیف بھی شامل ہیں۔ اور فارسی اور اُردو کی بھی۔ نیز وہ کلام منثور پر بھی مشتمل ہیں۔ اور کلام منظوم پر بھی۔ کیا اعجاز نمائی اس سے بڑھکر کسی اور چیز کا نام ہے۔ آپ کے کلام میں ہر قسم کے صنائع و بدائع کے نمونے پائے جاتے ہیں۔ پُرشوکت سے پُرشوکت کلام بھی ملیگا۔ جس سے الٰہی رُعب اور شوکت ظاہر ہوتی ہے۔ استعارات اور تمثیلات کے ایسے ایسے نمونے آپکے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ جن کی نقل کرنا آج کل کے بڑے بڑے ادیب فخر سمجھتے ہیں۔ مثلاً آپ اپنی تصنیف کشتی نوح کے صفحہ ۲ پر تحریر فرماتے ہیں۔ "آسمانی رُوح ان میں سے ایسے نکل گئی۔ جیسا کہ ایک گھونسلے سی کبوتر پرواز کر جاتا ہے۔" اس تمثیل کو مولانا ابو الکلام صاحب آزاد نے اپنے اخبار "البلاغ" جلد انمبر ا میں بایں الفاظ استعمال کیا۔ آپ اراکین علی گڑھ کالج کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "افسوس تمہارے

دل سے خوف خدا اس طرح نکل گیا۔ جس طرح کبوتر اپنے گھونسلے سے اُڑ جاتا ہے۔" اس کے علاوہ اُردو زبان میں اور بھی بہت سے مذہبی محاورات کا آپنے اضافہ کیا۔ جن کو آپکے پہلے دنیا نہ جانتی تھی۔ مثلاً زندہ نبی۔ زندہ کتاب۔ زندہ خدا۔ زندہ زبان۔ زندہ مذہب۔ بیسیوں ایسے الفاظ ہیں۔ جو آپکے پہلے کسی نے استعمال نہیں کئے۔ مگر اب عام طور پر استعمال ہونے لگ گئے ہیں۔ اُردو زبان میں واعظانہ تحریر کے آپ موجد ہیں۔ اور حضورؑ کی کتاب کشتی نوح اس کا بے نظیر نمونہ ہے۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ آپ کی کتابوں کی بدولت اُردو ہمیشہ کیلئے زندہ زبان ہوگئی۔ آپنے اردو کو ترقی دینے میں جو کچھ کیا۔ اس کے مقابلہ میں کوئی انجمن کوئی کمیٹی اور کوئی سوسائٹی کچھ نہیں کر سکی۔ اور نہ کر سکتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس احسان کو سید حبیب ایسے لوگ اگر نہ مانیں۔ تو اُنکی مرضی۔ مگر جو لوگ نقد و تبصرہ کا صحیح مذاق رکھتے ہیں۔ وہ باوجود مخالفت کے آپ کو اپنے زمانہ میں اُردو زبان کے ماہرین کی صف اوّل میں کھڑا کر چکے ہیں۔ ذیل میں چند ایسی آراء درج کی جاتی ہیں۔ جن کے مقابلہ میں سید حبیب صاحب کی رائے جو وقعت رکھتی ہے۔ وہ ظاہر ہے۔

مرزا حیرت دہلوی کی رائے

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر مرزا حیرت صاحب دہلوی نے جو خود ایک اعلیٰ پایہ کے ادیب تھے۔ اور حضرت اقدس کی ساری عمر مخالفت کرتے رہے۔ اپنی رائے مندرجہ ذیل الفاظ میں لکھی۔

"مرحوم کی وہ اعلیٰ خدمات جو اُس نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی کی ہیں۔ وہ واقعی بہت ہی تعریف کی مستحق ہیں۔ اس نے مناظرے کا بالکل رنگ ہی بدل دیا۔ اور ایک جدید لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم کر دی۔ نہ بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے بلکہ ایک محقق ہونے کے ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں۔ کہ کسی بڑے سے بڑے آریہ اور بڑے سے بڑے پادری کی یہ مجال نہ تھی۔ کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا جو بے نظیر کتابیں آریوں اور عیسائیوں کے مذاہب کے رد میں لکھی گئی ہیں۔ اور جیسے دندان شکن جواب مخالفین اسلام کو دئے گئے۔ آج تک معقولیت سے ان کا جواب الجواب ہم نے تو نہیں دیکھا۔ سوائے اس کے کہ آریہ نہایت بدتہذیبی سے اسے یا پیشوایان اسلام یا اصول اسلام کو گالیاں دیں۔ کوئی معقول جواب نہ اب تک دیا۔ نہ دے سکتے ہیں۔ اگرچہ

مرحوم پنجابی تھا۔ مگر اس کے قلم میں اسقدر قوت تھی۔ کہ آج سارے پنجاب بلکہ بلندئی ہند میں بھی اس قوت کا کوئی لکھنے والا نہیں۔ ایک پُرجذبہ اور قوی الفاظ کا انبار اس کے دماغ میں بھرا رہتا تھا۔ اور جب وہ لکھنے بیٹھتا۔ تو نپے تُلے الفاظ کی ایسی آمد ہوتی تھی۔ کہ بیان سے باہر ہے۔ مولوی نورالدین۔ مرحوم کے خلیفہ اول سے جو لوگ ناواقف ہیں۔ وہ تو اپنی غلطی سے یہ سمجھتے ہیں۔ کہ ان کتابوں میں مولوی نورالدین نے بہت مدد دی ہے۔ مگر ہم اپنی ذاتی واقفیت سے کہتے ہیں۔ کہ حکیم نورالدین مرحوم مرزا کے مقابلہ میں چند سطریں بھی اُردو کی نہیں لکھ سکتا۔ اگرچہ مرحوم کے اُردو علم ادب میں بعض بعض مقامات پر پنجابی رنگ اپنا جلوہ دکھا دیتا ہے۔ تو بھی اس کا پر زور لٹریچر اپنی شان میں بالکل نرالا ہے۔ اور واقعی اس کی بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اگرچہ کوئی باقاعدہ تعلیم عربی علم ادب اور صرف نحو کی کہیں حاصل نہیں کی۔ تو بھی اپنی خداداد ذہانت اور طبعیت کی جودت سے اتنی قابلیت عربی میں پیدا کر لی۔ کہ بے تکلف عربی لکھتا تھا۔ . . . . اس کے مُریدوں میں عامی اور جاہل ہی لوگ نہیں ہیں۔ بلکہ قابل اور لائق گریجوایٹ یعنی بی۔ اے۔ ایم۔ اے اور بڑے بڑے فاضل مولوی بھی ہیں۔ موجودہ زمانے کے ایک مذہبی پیشوا کیلئے یہ کچھ کم فخر کا باعث نہیں کہ قدیم و جدید (دونوں قسم کے) تعلیم یافتہ اس کے مُرید بن جائیں۔ اس نے ہلاکت کی پیشگوئیوں مخالفتوں اور نکتہ چینیوں کی آگ میں سے ہو کر اپنا راستہ صاف کیا۔ اور ترقی کے انتہائی عروج تک پہنچ گیا۔ . . . . اس کے ہر دعویٰ پر اس کے مُریدوں کی طرف سے اٰمنّا و صدّقنا کی صدائیں بلند ہوتی تھیں۔ اور ان آوازوں سے ہر شخص یہ نتیجہ نکال سکتا ہے۔ کہ مرحوم کو اس کی زندگی میں کتنی کامیابی نصیب ہو گئی تھی۔"

(اخبار کرزن گزٹ دہلی مورخہ یکم جون ۱۹۰۸ء)

اخبار وکیل امرتسر کی رائے

اخبار "وکیل" امرتسر نے جو مسلمانوں کا ایک وقیع اور نامور اخبار تھا۔ لکھا:۔

"اگرچہ مرزا صاحب نے علوم مروّجہ اور دینیات کی باقاعدہ تعلیم نہیں پائی۔ مگر ان کی زندگی اور زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ ایک خاص فطرت لیکر پیدا ہوئے تھے۔ جو ہر کس و ناکس کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے اپنے مطالعہ اور فطرت سلیمہ کی مدد سے مذہبی لٹریچر پر کافی عبور حاصل کیا۔ اور ۱۸۷۰ء کے قریب جب انکی ۳۵ - ۳۶ سال کی عمر تھی۔ ہم انکو

غیر معمولی مذہبی جوش میں سرشار پاتے ہیں۔ وہ ایک سچے اور پاکباز مسلمان کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کا دل دنیوی کششوں سے غیر متاثر ہے۔ وہ خلوت میں انجمن اور انجمن میں خلوت کا لطف اٹھانے کی کوشش میں مصروف ہے۔ ہم اسے بے چین پاتے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایسی کھوئی ہوئی چیز کی تلاش میں ہے۔ جس کا پتہ فانی دنیا میں نہیں ملتا۔ اسلام اپنے گہرے رنگ کیساتھ اس پر چھایا ہوا ہے۔ کبھی وہ آریوں سے مباحثے کرتا ہے۔ کبھی حمائت اسلام اور حقیقت اسلام میں وہ بسیط کتابیں لکھتا ہے۔ ۱۸۸۶ء میں بمقام ہوشیار پور جو مباحثات انہوں نے کئے۔ ان کا لطف اب تک دلوں سے محو نہیں ہوا . . . .

غیر مذاہب کی تردید میں اور اسلام کی حمائت میں جو نادر کتابیں انہوں نے تصنیف کی تھیں ان کے مطالعہ سے جو وجد پیدا ہوا۔ وہ اب تک نہیں اُترا ہے۔ انکی کتاب براہین احمدیہ نے غیر مسلموں کو مرعوب کر دیا۔ اور اسلامیوں کے دل بڑھا دئے۔ اور مذہب کی پیاری تصویر کو ان آلائشوں اور گرد و غبار سے صاف کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ جو مجاہیل کی توہم پرستیوں اور فطری کمزوریوں نے چڑھا دئے تھے۔ غرضیکہ اس تصنیف نے کم از کم ہندوستان کی حد میں دنیا میں ایک گونج پیدا کر دی۔ جس کی صدائے بازگشت ہمارے کانوں میں اب تک آ رہی ہے۔ گو بعض بزرگان اسلام اب براہین احمدیہ کے بُرا ہونیکا فیصلہ دے دیں۔ محض اس وجہ سے کہ اس میں مرزا صاحب نے اپنی نسبت بہت سی پیشگوئیاں کی تھیں۔ اور بطور حفظ ما تقدم اپنے آئندہ دعاوی کے متعلق بہت کچھ مصالحہ فراہم کر لیا تھا۔ لیکن اس کے بہترین فیصلہ کا وقت ۱۸۸۰ء تھا۔ جبکہ وہ کتاب شائع ہوئی۔ مگر اسوقت مسلمان بالاتفاق مرزا صاحب کے حق میں فیصلہ دے چکے تھے۔ کیرکٹر کے لحاظ سے مرزا صاحب کے دامن پر سیاہی کا چھوٹا سا دھبہ بھی نظر نہیں آتا۔ وہ ایک پاکباز جینا جیا۔ اور اُس نے ایک متقی کی زندگی بسر کی۔ غرضیکہ مرزا صاحب کی ابتدائی زندگی کے پچاس سالوں نے بلحاظ اخلاق و عادات اور پسندیدہ اطوار اور کیا بلحاظ خدمات و حمائت دین مسلمانان ہند میں ان کو ممتاز برگزیدہ اور قابل رشک مرتبہ پر پہنچا دیا۔" (اخبار وکیل ۳۰ مئی ۱۹۰۸ء)

علیگڑھ انسٹی ٹیوٹ کی رائے

علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ نے حضرت اقدس کی وفات پر لکھا:-

"مرحوم ایک مانے ہوئے مصنف اور مرزائی فرقہ کے بانی تھے۔ . . . . ۱۸۷۴ء سے ۱۸۷۶ء تک شمشیر قلم عیسائیوں۔ آریوں اور برہمو صاحبان کے خلاف چلایا۔ . . . . . . آپ نے ۱۸۸۰ء میں تصنیف کا کام شروع کیا۔ آپکی پہلی کتاب اسلام کے ڈیفنس میں تھی۔ جس کے جواب کے لئے آپنے دس ہزار روپیہ انعام رکھا تھا۔ . . . . . آپ نے اپنی تصنیف کردہ اسّی کتابیں پیچھے چھوڑی ہیں۔ جن میں سے بیس عربی زبان میں ہیں۔ . . . . . . بے شک مرحوم اسلام کا ایک بڑا پہلوان تھا۔"

خواجہ غلام الثقلین صاحب کی رائے

ماہ دسمبر ۱۹۱۳ء میں بمقام آگرہ آل انڈیا محمڈن اینگلو اورنٹیل ایجوکیشنل کانفرس کا ستائیسواں اجلاس منعقد ہوا۔ اس میں خواجہ غلام الثقلین نے اپنے خطبۂ صدارت میں ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جنھوں نے اُردو کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان لوگوں کی صف میں شمار کیا۔ جن کو آج اُردو زبان میں بطور سند پیش کیا جاتا ہے۔ مثلاً پروفیسر آزاد۔ مولانا حالی۔ سر سید احمد خاں۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار۔ داغ۔ امیر۔ جلال۔ (دیکھو رپورٹ اجلاس مذکور ص۴۶) پھر اسی رپورٹ کے ص۴۷ پر پنجاب کے انشاء پردازوں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اردو زبان کے اعلیٰ انشاء پردازوں میں شمار کیا گیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصانیف پر اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اہل قلم اصحاب کی آراء کو درج کیا جا سکتا ہے۔ مگر بخوف طوالت انہی پر اکتفار کی جاتی ہے۔

علاوہ برایں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصانیف ہمارے پاس موجود ہیں۔ اور رہتی دنیا تک موجود رہیں گی۔ ان کا ہر ایک ورق اس بات کی زندہ شہادت ہے۔ کہ حضورؑ ایک قادر الکلام مصنف تھے۔ ہر ایک زبان کے چند مسلمہ اساتذہ ہوتے ہیں۔ انگریزی میں انکو زبان کا ماسٹر (مالک) کہا جاتا ہے۔ وہ جس طرح چاہیں زبان میں تصرف کریں۔ ان پر اعتراض کرنیوالے کو جاہل قرار دیا جاتا ہے۔ وہ ظاہری پابندیوں سے آزاد ہوتے ہیں۔ اور باوجود اس کے ان کے کلام کو غلط نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اسے بطور سند پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی زبان اُردو میں یہی درجہ حاصل تھا۔

تذکیر و تانیث کی غلطیاں

سید حبیب صاحب کو اردو علم ادب میں جو حیثیت حاصل ہے۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ آپ کے مضامین کی ساری انساط اس وقت میرے سامنے ہیں۔ جو آپکی علمی قابلیت اور قوت استدلال کی صحیح تصویر پیش

کر رہی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے خود بھی اپنی علمی فرومائیگی کا اعتراف کیا ہے۔ مگر باوجود اس کے آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف تذکیر و تانیث کی غلطیاں منسوب کی ہیں حالانکہ اردو زبان کے متعلق تذکیر و تانیث کا قطعی فیصلہ کوئی بڑے سے بڑا ادیب بھی آج تک نہیں کر سکا اہل لکھنؤ بعض الفاظ مذکر بولتے ہیں۔ مگر اہل دہلی انہیں مؤنث۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں تو اردو زبان ابھی ایسے مراحل میں تھی۔ کہ اس کے بعد اس میں بہت کچھ تغیر ہوا۔ چنانچہ مولانا محمد حسین آزاد آب حیات صلا پر" اردو روز نیا رنگ بدل رہی ہے" کے عنوان سے لکھتے ہیں۔" اردو اس قدر جلد رنگ بدل رہی ہے۔ کہ ایک مصنف اگر خود اپنی ایک سن کی تصنیف کو دوسرے سن کی تصنیف سے مقابلہ کرے۔ تو زبان میں فرق پائے گا۔ باوجود اس کے اب تک بھی اس قابل نہیں۔ کہ ہر قسم کے مضمون خاطر خواہ ادا کر سکے۔ یا ہر علم کی کتاب کو بے تکلف ترجمہ کر دے۔"

پھر اسی کتاب کے صلا پر لکھتے ہیں۔" ہوا کا رُخ اور دریا کا بہاؤ نہ کسی کے اختیار میں ہے نہ کسی کو معلوم ہے۔ کہ کدھر پھریگا۔ اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ اب زبان کیا رنگ بدلے گی۔"

یہی وجہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے اہل قلم مصنفین مثلاً آزاد۔ حالی۔ غالب۔ اور سر سید وغیرہ کی تحریرات کا مطالعہ کرنیسے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو محاورات اور تراکیب وہ استعمال کرتے تھے۔ ان میں سے کئی ایک آجکل متروک ہیں۔ تاہم انکو کوئی غلط نہیں کہہ سکتا۔ ماہرین علم السنہ کے نزدیک یہ امر مسلم ہے۔ کہ زمانہ کے تغیر سے زبان میں بھی تغیر آتا رہتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ابتدائی تصانیف مثلاً براہین احمدیہ وغیرہ اور آخری کتابوں مثلاً چشمۂ معرفت۔ براہین احمدیہ حصہ پنجم اور پیغام صلح کی زبان میں بھی نمایاں فرق ہے۔ پھر زبان پر ماحول کا بھی اثر ہوتا ہے۔ داغ جب دکن میں گئے۔ تو انکی زبان پر بھی ماحول نے اثر کیا۔ اور حیدر آبادی اردو میں شعر کہنے لگ گئے۔ چنانچہ ان کا ایک شعر ہے۔ ؎

دلبر سے جدا ہونا یا دل کو جدا کرنا + اس فکر میں بیٹھا ہوں آخر مجھے کیا کرنا

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں اگر پنجابی ماحول کا کچھ اثر ہو۔ تو یہ امر قابل اعتراض نہیں۔ اور خصوصاً تذکیر و تانیث کا فرق تو ایسا فرق ہے۔ کہ اس کے متعلق اب تک بھی اردو زبان میں کوئی قاعدہ مرتب نہیں ہوا جس پر سب کا اتفاق ہو۔ اس لئے تذکیر و تانیث کی غلطی کو اس قدر اہمیت دینا کہ سارے کلام کو مبتذل قرار دے دیا جائے صریح ناانصافی ہے۔ میر تقی نے

بعض ایسے الفاظ کو جو اب مذکر بولے جاتے ہیں۔ مؤنث باندھا ہے۔ اور اس کے برعکس بعض ایسے الفاظ کو جو اب مؤنث بولے جاتے ہیں۔ مذکر باندھا ہے۔ چنانچہ آب حیات صفحہ ۲۰۵ پر مولانا آزاد نے اس بارے میں حسب ذیل اشعار پیش کئے ہیں:- ؎

ملائے خاک میں کس کس طرح کے عالم یہاں + نکل کے شہر سے ٹک سیر کر مزاروں کا

کل جس کی جاں کنی پر سارا جہان ٹوٹا + آج اس مریض غم کا ہچکی میں جان ٹوٹا

بعض جگہ مذکر کو مؤنث بھی کہہ جاتے ہیں۔ ؎

کیا ظلم ہے اس خونی عالم کی گلی میں + جب ہم گئے دو چار نئی دیکھیں مزاریں

مثنوی شعلہ عشق میں کہتے ہیں:-

خلق بیجا ہوئی کنارے پر + حشر برپا ہوئی کنارے پر

مگر باوجود اس کے ان کو اردو شاعری کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔ (دیکھو آب حیات صفحہ ۲۳۰)

اور غالب جیسا بلند پایہ شاعر کہتا ہے ؎

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ + آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

پس جو شخص تذکیر و تانیث کو اتنی اہمیت دیکر کسی مسلم مصنف پر اعتراض کرتا ہے وہ بقول غالب خود بے بہرہ ہے۔

تذکیر و تانیث کے متعلق سید صاحب کا بیجا اعتراض

اب میں ان الفاظ کو لیتا ہوں۔ جن کی تذکیر و تانیث کے متعلق سید صاحب نے اعتراض کیا ہے۔ اور وہ چار الفاظ ہیں قسط دوئم میں آپ نے "قلم" اور "ہوش" کو قسط چہارم میں "درد" کو مؤنث استعمال کرنے پر اور قسط ہشتم میں "تختگاہ" کو مذکر استعمال کرنے پر اعتراض کیا ہے۔ اعتراض کرنے کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا آپکو تمام اردو علم ادب پر کمال عبور حاصل ہے۔ مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ قلم کا لفظ اردو زبان میں مشترک ہے۔ یعنی مذکر بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور مؤنث بھی۔ چنانچہ فرہنگ آصفیہ میں اس کے دونوں استعمالات کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔ اور مونث استعمال کرنے کے جواز میں ظفر کا مندرجہ ذیل شعر بطور استشہاد لکھا ہے۔ ؎

ظفر جو خوف سے تیرا نہ کانپتا یہ ہاتھ + قلم تری دم تحریر ہل گئی تھی کیوں

اس کے علاوہ غالب اپنے ایک خط بنام منشی میاں داد خانصاحب المخاطب بہ سیف الحق

المتخلص بہ سیاح میں لکھتے ہیں :-

"گلشن بعض کے نزدیک مؤنث اور بعض کے نزدیک مذکر ہے۔ قلم۔ دہی۔ خلعت۔ ان کا یہی حال ہے۔ کوئی مؤنث کوئی مذکر بولتا ہے۔ میرے نزدیک دہی اور خلعت مذکر ہیں اور قلم مشترک۔ چاہو مذکر کہو۔ چاہو مؤنث۔ گلشن البتہ مذکر مناسب معلوم ہوتا ہے" (اردوئے معلی صفحہ ۳۸۱)

اردو نظم میں بھی ان کا حسب ذیل شعر مشہور ہے ۔

بزم کا التزام گر کیجے + ہے قلم مری ابر گوہر بار

(مطالب الغالب شرح دیوان غالب از ردا سُہا صفحہ ۳۹۲)

درد کا لفظ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مذکر بھی استعمال کیا ہے۔ اور مؤنث بھی۔ مذکر استعمال کرنے کی مثال یہ ہے۔ حضور حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۰ میں فرماتے ہیں "جب مجھے یہ خبر دی گئی۔ کہ میرے والد صاحب آفتاب غروب ہونے کے بعد فوت ہو جائینگے۔ تو بموجب مقتضائے بشریت مجھے اس خبر کے سننے سے درد پہنچا" اور اس کے مؤنث استعمال کی جو مثال سید صاحب نے پیش کی ہے۔ وہ یہ ہے۔ حضور کشتی نوح صفحہ ۴۷ میں فرماتے ہیں۔ "پھر مریم کو جو مراد اس عاجز سے ہے۔ دردِ زہ تنہ کھجور کی طرف لے آئی" اور دردِ زہ کو مؤنث استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ اسکی جمع لغت میں دردیں یعنی۔ ی۔ ن کے ساتھ آئی ہے۔ (دیکھو جامع اللغات) اور یہ اس کے مؤنث ہونے کی علامت ہے۔

ہوش کے لفظ کو مذکر استعمال کرنیکی مثال حضرت مسیح موعودؑ کا حسب ذیل شعر ہے

ہوش اڑ جائینگے انساں کے پرندوں کے حواس + بھولیں گے نغمہ کو اپنے سب کبوتر اور ہزار

اس کے مؤنث استعمال کی مثال سید صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کے کلام سے پیش نہیں کی ہے۔ بلکہ صرف اجمالی طور پر اسی قدر کہنے پر اکتفاء کی ہے۔ کہ حضور نے اپنی تحریروں میں کسی جگہ "ہوش آئی" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ بہتر ہوتا۔ کہ سید صاحب اس کیلئے کسی کتاب کا حوالہ درج کرتے۔ تا اسے دیکھکر جواب دیا جاسکتا۔ فی الحال یہ فرض کر کے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے فی الحقیقت کسی موقعہ پر ہوش کا لفظ مؤنث استعمال کیا ہے۔ یہ عرض کیا جاتا ہے۔ کہ یہ لفظ چونکہ پنجاب میں عموماً مؤنث استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لئے ماحول کے اثرات کے ماتحت اگر حضرت مسیح موعودؑ نے بھی اسے مؤنث استعمال کیا ہے۔ تو یہ قابل اعتراض نہیں۔ روزانہ عام بول چال اور اخبارات میں ہوش مؤنث استعمال کیا جاتا ہے۔ اور کوئی عجب نہیں کہ "سیاست" میں بھی ایسا ہی کیا

گیا ہو۔ اس وقت معزز معاصر "انقلاب" لاہور کے تازہ پرچہ ۱۰ اگست سے مثال پیش کی جاتی ہے۔ جس کے صفحہ ۵ میں یہ فقرہ لکھا ہے۔ "ہندوؤں کو بہت جلد ہوش آجائیگی"۔

تخت گاہ اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ جن میں ترکیب مقلوب پائی جاتی ہے۔ اردو زبان میں انکی تذکیر و تانیث کے متعلق کوئی خاص قاعدہ مقرر نہیں ہے۔ بلکہ بعض اوقات ان کی تذکیر و تانیث پہلی جزو کے مطابق ہوتی ہے۔ اور بعض اوقات دوسرے جزو کے خصوصاً وہ الفاظ جن کے اخیر میں "گاہ" ہو۔ بغیر کسی پابندی کے مذکر و مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں چنانچہ مولانا عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی نے اپنی تصنیفات میں بندرگاہ وغیرہ الفاظ کو بکثرت مذکر استعمال کیا ہے۔ اور مولانا حالی نے اپنی کتاب مقدمہ شعر و شاعری صفحہ ۱۰ میں زیر عنوان "رودکی کے کلام کی تاثیر" تختگاہ کو مذکر استعمال کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ "ایران کے مشہور شاعر رودکی کا قصہ مشہور ہے۔ کہ امیر نصر بن احمد سامانی نے جب خراسان کو فتح کیا۔ اور ہرات کی فرحت بخش آب و ہوا اس کو پسند آئی۔ تو اس نے وہیں مقام کر دیا۔ اور بخارا جو کہ سامانیوں کا اصلی تختگاہ تھا۔ اس کے دل سے فراموش ہو گیا"۔

مندرجہ بالا تحقیق کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ سید صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کے کلام میں تذکیر و تانیث کی بزعم خود جو غلطیاں نکالی ہیں۔ وہ درحقیقت غلطیاں نہیں ہیں۔ اور سید صاحب نے انہیں غلطیاں قرار دینے میں اپنی اُردو زبان سے انتہائی ناواقفیت کا ثبوت دیا ہے ؛

سیّد حبیب صاحب کی دوسری دلیل کی حقیقت

جناب سیّد حبیب صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے (نعوذ باللہ) کاذب ہونیکی دوسری دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"بعثت خاتم النبیین کے زمانہ میں کفار نے حضرت امی لقب (فداہ ابی وامی) پر جو الزام لگائے۔ ان میں آپ کو ساحر۔ کاہن۔ مجنون اور شاعر بھی کہا گیا۔ خداوند محمدؐ نے ان سب الزامات کی بڑے زور سے تردید کی۔ اور الزام شاعری کی تردید میں قدرے زیادہ زور سے کام لیا ہے۔ میرا ایمان ہے۔ کہ حضور شافع المذنبین کے دین کی تجدید کیلئے اگر کوئی مرسل

آئے۔ تو وہ جس طرح مجنون۔ کاہن۔ ساحر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح شاعر بھی نہیں ہو سکتا لیکن میں دیکھتا ہوں۔ کہ مرزا صاحب نے شاعری میں بھی جلوہ نمائی کی ہے۔ اور انکی نثر کی طرح انکی شاعری بھی نہایت بتذل ہے۔ خواہ وہ شاعری اردو کی ہو یا فارسی کی۔ سارا کلام اسکا نمونہ ہے" (قسط چہارم)

بلا ثبوت دعویٰ

اگر سید صاحب اسی پر اکتفا کرتے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاہن۔ مجنون۔ ساحر اور شاعر ہونے کی پُر زور تردید کی ہے۔ تو یہ درست تھا۔ مگر آپ نے اس پر بس نہ کرتے ہوئے یہ لکھنا بھی ضروری سمجھا۔ کہ دوسرے الزامات کی تردید کی نسبت خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے الزام شاعری کی تردید میں قدرے زیادہ زور سے کام لیا ہے۔ حالانکہ یہ قطعاً خلاف واقعہ ہے تعجب ہے۔ سید صاحب عموماً ابہام اور اجمال سے کام لیتے ہیں۔ ایک وسیع سلسلۂ مضامین لکھتے ہوئے آپ کا فرض تھا۔ کہ جوابات لکھتے۔ اس کے ہر پہلو کو دلائل اور نصوص سے پایۂ ثبوت تک پہنچاتے۔ مگر حالی یہ ہے۔ کہ دعوے تو بکثرت ہیں۔ لیکن ثبوت موجود نہیں۔ سید صاحب ہی انصاف فرمائیں۔ یہ بھی کوئی محققانہ طریق ہے۔ کہ آپنے یہ تو لکھدیا۔ کہ " مرزا صاحب نے شاعری میں بھی جلوہ نمائی کی ہے۔ اور انکی نثر کی طرح ان کی شاعری بھی نہایت بتذل ہے۔ خواہ وہ شاعری اردو کی ہو یا فارسی کی"۔ مگر آپنے اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا۔ پھر اس سے بھی بڑھکر حیرانی کا باعث یہ امر ہے۔ کہ آپنے یہ تو فرما دیا۔ کہ قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوسرے الزامات کی نسبت شاعری کے الزام کی تردید میں زیادہ زور سے کام لیا گیا ہے۔ مگر اس کے ثبوت میں ایک آیت بھی لکھنے کی تکلیف گوارا نہیں فرمائی ؛

شعر کن معنوں میں منافیٔ نبوت ہے

سید صاحب کا یہ استدلال بھی چونکہ ذاتی نہیں۔ بلکہ دوسروں کی تقلید میں ہے۔ اس لئے اس جگہ میں اسی آیت پر بحث کرونگا۔ جس سے عموماً ہمارے مخالفین یہ استدلال کیا کرتے ہیں۔ کہ شعر کہنا نبوت کے منافی ہے۔ اور وہ یہ ہے :۔ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ ۝ (سورہ یٰس ع ۵) یعنی نہیں سکھایا ہم نے اس (نبی) کو شعر اور نہ ہی وہ (شعر) اس کے شایان شان ہے۔ نہیں ہے وہ مگر نصیحت اور قرآن کھلا۔

اس آیت سے غیر احمدی علماء یہ استدلال کرتے ہیں۔ کہ جب کفار عرب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر ہونے کا الزام دیا۔ اور انہوں نے قرآن مجید کو شعر قرار دیا۔ تو اللہ تعالےٰ نے ان

کے الزام کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ شعر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے شایاں نہیں۔ نیز قرآن شعر نہیں ہو سکتا۔ یہ نصیحت ہے۔ لہذا معلوم ہوا۔ کہ نبی شاعر نہیں ہو سکتا۔ اس استدلال میں اتنی بات تو بالکل درست ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شعر کی نفی کی گئی ہے۔ اور شعر نبوت کے منافی ہے۔ لیکن آیت میں شعر کو جن معنوں کے اعتبار سے نبوت کے منافی قرار دیا گیا ہے۔ اسے سمجھنے میں ہمارے دوستوں کو غلطی لگی ہے۔ لفظ شعر کے عربی زبان میں دو معنے ہیں۔ اول کلام منظوم۔ دوئم کذب اور جھوٹ۔ ہمارے نزدیک محولہ بالا آیت میں جس شعر کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نفی کی گئی ہے۔ وہ کذب اور جھوٹ کے معنوں میں آیا ہے۔ اور اس سے ہر رنگ کا کلام منظوم مراد لینا کئی وجوہ سے باطل ہے۔

منظوم کلام اور نصیحت

پہلی وجہ۔ اس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس میں جس شعر کی نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نفی کی گئی ہے۔ وہ نصیحت کے منافی ہے۔ کیونکہ فرمایا۔ ہم نے اس کو شعر نہیں سکھایا۔ اور قرآن تو ایک نصیحت ہے۔ گویا نصیحت اور شعر دو متضاد چیزیں ہیں۔ جو ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ کیا منظوم کلام نصیحت کے منافی ہے؟ جب ہم اس سوال پر غور کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ منظوم کلام نصیحت کے منافی نہیں۔ کیونکہ اول تو خود قرآن مجید نے سورۃ الشعراء کے آخری رکوع میں گندے شعراء کی مذمت کرتے ہوئے إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا فرما کر خدا یاد اور مومن شعراء کو مستثنیٰ کر دیا۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ گندے شعراء کے مقابلہ میں مومن شعراء کی تعریف اسی صورت میں صحیح ہو سکتی ہے۔ جب موخر الذکر گروہ پاکیزہ اور ناصحانہ شعر کہے۔ دوئم آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً۔ یعنی بعض اشعار میں حکمت اور دانائی ہوتی ہے۔ نیز فرمایا۔ أَحْسَنُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيدٍ

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ + وَكُلُّ نَعِيمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلٌ

یعنے شاعرانہ کلام میں سب سے اعلیٰ لبید کا یہ شعر ہے۔ الا کل شیٔ الخ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ تمام چیزیں سوائے خدا کے بے حقیقت ہیں۔ اور دنیا کی تمام نعماء لامحالہ فانی ہیں۔ پس مذکورہ بالا قرآنی آیت اور نبوی ارشادات سے ظاہر ہے۔ کہ بعض اوقات شعر میں پاکیزہ خیالات بلکہ قرآنی مضامین کو بیان کیا جاتا ہے۔ اور ہمارا مشاہدہ بھی اسکی تائید کرتا ہے۔ کہ شعر میں خدا تعالےٰ اور اس کے دین اور رسول کی بھی تعریف کی جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور دیگر

روحانی شعراء کے کلام سے عیاں ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو اپنی شاعری کے متعلق وضاحت سے فرما دیا۔

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق + اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

پس معلوم ہوا۔ کہ منظوم کلام نصیحت کے منافی نہیں۔ لہٰذا آیت میں جس شعر کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے نفی کی گئی ہے۔ اس سے مراد منظوم کلام نہیں ہو سکتا:

شاعر کا درجہ کفّار کی نگاہ میں

دوسری وجہ۔ جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔ اس آیت کا شان نزول اس طرح ہے۔ کہ کفار عرب نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاعر کا الزام دیا۔ اور خدا تعالےٰ نے انکی تردید میں فرمایا۔ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ الآیۃ۔ یعنی ہمارا رسول شاعر نہیں۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ شعر کے جس مفہوم کا کفار آنحضورؐ کو الزام دیتے تھے۔ اس کی آیت میں نفی اور تردید کی گئی ہے۔ اب یہ معلوم کرنے کیلئے کہ وہ کن معنوں میں آپ کو شاعر کہتے تھے۔ یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ نظم کہنا ان کے نزدیک ایک نہایت اعلیٰ کمال سمجھا جاتا تھا۔ اور اس وجہ سے وہ شاعر کو نہایت تعظیم اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس لئے عقلاً یہ درست نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ دشمنی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا درجہ دیتے۔ جو ان کی نظر میں نہایت اعلیٰ کمال تھا

رسول کریم اور منظوم کلام

تیسری وجہ۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے۔ کہ آیت میں جس شعر کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات سے نفی کی گئی ہے۔ اس سے مراد ہر قسم کا منظوم کلام ہے۔ تو یہ ایک خلاف واقعہ امر ہوگا۔ کیونکہ احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بعض مواقع پر کلام منظوم ارشاد فرمانے کا ذکر موجود ہے۔ مثلاً

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ + أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

یعنی میں نبی ہوں۔ اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔ میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔ - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - -

اوزان شعر پر آیات قرآنی

اسی طرح قرآن مجید کی بھی بہت سی آیات مختلف اوزان شعر پر آئی ہیں۔ چنانچہ علامہ سعد الدین تفتازانی کی کتاب شرح المقاصد

جلد ۲ صفحہ ۳۲۸ میں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات کو اوزان شعر کے مطابق ظاہر کیا گیا ہے:-

بحر طویل۔ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ۔ بحر مدید۔ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا۔ بحر بسیط۔ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا۔ بحر وافر۔ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ۔ بحر کامل وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔ بحر ہزج۔ تَاللّٰهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا۔ بحر رجز۔ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا۔ بحر رمل۔ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَاسِيَاتٍ۔ بحر سریع۔ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَا سَامِرِيُّ۔ بحر منسرح۔ إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ۔ بحر خفیف أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ۔ بحر مضارع۔ يَوْمَ التَّنَادِ يَوْمَ تُوَلُّونَ مُدْبِرِينَ۔ بحر مقتضب۔ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ۔ بحر مجتث۔ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ۔ بحر متقارب۔ وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ۔ بحر رمل مسدس مقصور۔ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ثُمَّ أَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ۔ علامہ محمد بک دیاب مصری نے اپنی کتاب تاریخ ادب اللغۃ العربیۃ جلد اول صـ۱۰۶ پر اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے۔ اور قرآن مجید کی اور بھی بہت سی آیات کا جو اوزان شعر پر آئی ہیں۔ ذکر کیا ہے۔ اب اگر آیت مَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ میں کلام منظوم کی نفی کی گئی ہے۔ تو قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیات اور نبی کریم کے فرمودہ اشعار کی موجودگی میں ایک معترض علی سبیل الزام کہہ سکتا ہے۔ کہ قرآن مجید میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اور قرآن مجید سے شعر کی جو نفی کی گئی ہے۔ وہ خلاف واقعہ ہے (نعوذ باللہ) اور علامہ سعد الدین تفتازانی نے خود اس بات کا ذکر کیا ہے۔ کہ ان آیات کو پیش کر کے قرآن مجید پر۔ آیت وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ کے ان معنوں کی رُو سے کہ اس شعر سے مراد کلام منظوم ہے۔ مخالفین اسلام نے اعتراض کیا ہے۔ وہ مفسرین جو شعر کے لفظ سے ہر قسم کا کلام منظوم مراد لیتے ہیں۔ اس اعتراض کا کیا جواب دیتے ہیں۔ کہ شعر کی تعریف میں یہ بات بھی شامل ہے۔ کہ اس میں وزن مقصود ہو۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشعار اور قرآن مجید کی ان آیات میں جو اوزان شعر پر آئی ہیں۔ چونکہ وزن مقصود نہیں۔ بلکہ اتفاقی ہے۔ اس لئے ان پر شعر کے لفظ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ مگر ظاہر ہے۔ کہ یہ جواب ایک معترض مخالف کیلئے باعث تسکین نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ کہہ سکتا ہے۔ اس بات کا کیا ثبوت ہے۔ کہ

ان میں وزن مقصود نہیں۔ نیز یہ امر بھی محل غور و بحث ہے۔ کہ آیا خدا تعالےٰ کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس سے فلاں فعل قصداً نہیں بلکہ اتفاقاً سرزد ہوا۔ یہ اعتراض غیر احمدیوں کے معنوں کی رُو سے قرآن مجید پر پڑتا ہے۔ لیکن اگر آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن سے شعر کی نفی سے کذب کی نفی مراد لی جائے۔ تو مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ اور کسی مخالف کے لئے اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں رہتی ؂

پاکیزہ شعر کا اثر

چوتھی وجہ اصطلاحی معنوں میں پاکیزہ شعر کہنا عقلاً کوئی معیوب امر نہیں۔ بلکہ یہ بھی ایک خداداد اعلیٰ قابلیت ہے۔ جس سے دنیا میں بہت سے اچھے اور دینی کام سرانجام دئے جا سکتے ہیں۔ پھر اسے نبوت کے منافی کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس سوال پر جب اس حقیقت کی روشنی میں غور کیا جائے۔ کہ خود سرور کائنات علیہ السلام نے منظوم کلام ارشاد فرمایا۔ دوسروں کو کہنے کا حکم دیا۔ اُن کے اشعار سے تمثل فرمایا۔ اور اشعار سُن کر داد بھی دی۔ تو یہ مسئلہ اور بھی زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔

رسول کریمؐ کو شاعر کہنے سے کفار کی مراد

اصل بات یہ ہے۔ کہ قرآن مجید کے کلام کی اعجازی تاثیر کو دیکھکر کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاعر کہا اور ایسا کہنے سے ان کی مراد یہ تھی۔ کہ جس طرح شعر مؤثر پیرایہ میں بیان کیا جاتا ہے۔ اور اُسے سُنکر سامعین متاثر ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ کلام بھی باوجود جھوٹا ہونے کے مؤثر اور دلکش ہے۔ چنانچہ خواجہ الطاف حسین صاحب حالی مقدمہ شعر و شاعری کے ص۲۷ پر لکھتے ہیں :۔

"جو شخص معمولی آدمیوں سے بڑھ کر کوئی مؤثر اور دلکش تقریر کرتا تھا۔ اسکو شاعر جانتے تھے۔ جاہلیت کی قدیم شاعری میں زیادہ تر اسی قسم کے برجستہ اور دلآویز فقرے اور مثلیں پائی جاتی ہیں۔ جو عرب کی عام بول چال سے فوقیت اور امتیاز رکھتی تھیں۔ یہی سبب تھا۔ کہ جب قریش نے قرآن مجید کی نرالی اور عجیب بات سُنی۔ تو جنھوں نے اسکو کلام الٰہی نہ مانا۔ وہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاعر کہنے لگے"

اسی طرح تاج العروس اور مفردات راغب میں جو لغت کی نہایت مستند اور اعلیٰ پایہ کی کتابیں مانی جاتی ہیں۔ لفظ شعر کی بحث میں لکھا ہے " قَوْلُہٗ تَعَالیٰ عَنِ الْکُفَّارِ بَلْ ھُوَ شَاعِرٌ حَمَلَہٗ کَثِیْرٌ مِنَ الْمُفَسِّرِیْنَ عَلیٰ اَنَّھُمْ رَمَوْہُ بِکَوْنِہٖ اٰتِیًا بِشِعْرٍ مَنْظُوْمٍ مُقَفًّی حَتّٰی

تَاَوَّلُوْا مَا جَاءَ فِی الْقُرْاٰنِ مِنْ کَلَامٍ یُشْبِہُ الْوَزْنَ مِنْ نَحْوِ وَجِفَانٍ کَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رَّاسِیَاتٍ وَقَالَ بَعْضُ الْمُحَصِّلِیْنَ لَمْ یَقْصُدُوْا ھٰذَا الْمَقْصَدَ فِیْمَا رَمَوْہُ بِہٖ وَذَالِکَ اَنَّہٗ ظَاھِرٌ مِنْ ھٰذَا اَنَّہٗ لَیْسَ عَلیٰ اَسَالِیْبِ الشِّعْرِ وَلَیْسَ یَخْفٰی ذَالِکَ عَلَی الْاَغْتَامِ مِنَ الْعَجَمِ فَضْلًا عَنْ بُلَغَاءِ الْعَرَبِ وَاِنَّمَا رَمَوْہُ فَاِنَّ الشِّعْرَ یُعَبَّرُ بِہٖ عَنِ الْکَذِبِ وَالشَّاعِرِ الْکَاذِبِ حَتّٰی سَمَّوا الْاَدِلَّۃَ الْکَاذِبَۃَ الْاَدِلَّۃَ الشِّعْرِیَّۃَ وَلِھٰذَا قَالَ فِیْ وَصْفِ عَامَّۃِ الشُّعَرَاءِ وَالشُّعَرَاءُ یَتَّبِعُھُمُ الْغَاوٗنَ اِلیٰ اٰخِرِ السُّوْرَۃِ وَیَکُوْنُ الشِّعْرُ مَقَرًّ الْکَذِبِ قِیْلَ اَحْسَنُ الشِّعْرِ اَکْذَبُہٗ۔ یعنی قرآن مجید میں جو کفار کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ قول آیا ہے۔ کہ یہ شاعر ہے۔ اس کے معنے بہت سے مفسرین نے یہ کئے ہیں۔ کہ وہ آپ کو شعر منظوم و مقفی کہنے کا الزام دیتے تھے۔ اور اسوجہ سے ان مفسرین نے قرآن مجید کی ان آیات کی جو اوزان شعر میں سے کسی وزن پر آئی ہیں۔ مثلاً آیت وجفان کالجواب وقدور راسیات تاویلیں کی ہیں۔ لیکن بعض علماء نے کہا ہے۔ کہ کفار کی مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کا الزام دینے سے یہ نہ تھی۔ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منظوم و مقفی کلام کہنے والا قرار دیتے تھے۔ کیونکہ یہ بات قرآن مجید سے ظاہر ہے۔ کہ وہ اسالیب شعر پر نہیں ہے۔ اور یہ حقیقت تو معمولی عجمی لوگوں پر بھی پوشیدہ نہیں۔ چہ جائیکہ عرب کے بلیغ اسے سمجھ نہ سکیں۔ پس انکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر شعر کا الزام کذب اور جھوٹ کے معنوں میں تھا۔ اور آپ کو شاعر کہنے سے انکی مراد کاذب تھی۔ انہوں نے جھوٹی دلیلوں کو شعری دلائل سے تعبیر کیا۔ اسی لئے قرآن مجید میں آیا ہے۔ والشعراء یتبعھم الغاوٗن الی اخر السورۃ۔ اور اس وجہ سے بھی انہوں نے قرآن مجید کو شعر کہا۔ کہ شعر میں جھوٹ بیان ہوتا ہے۔ چنانچہ مشہور ہے۔ کہ سب سے اعلیٰ شعر وہ ہے۔ جس میں سب سے زیادہ کذب بیانی سے کام لیا گیا ہو۔

پھر کلیات ابوالبقاء میں شعر پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے " وَالشَّاعِرُ فِی الْقُرْاٰنِ عِبَارَۃٌ عَنِ الْکَذِبِ بِالطَّبْعِ . . . وَاِنَّمَا رَمَوْہُ بِالشِّعْرِ حَتّٰی قَالُوْا بَلْ ھُوَ شَاعِرٌ یَعْنُوْنَ اَنَّہٗ کَاذِبٌ لَا اَنَّہٗ اَتیٰ بِشِعْرٍ مَنْظُوْمٍ مُقَفًّی "۔ یعنی قرآن مجید میں جو شاعر کا لفظ آیا ہے۔ اس سے مراد کاذب ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر کا الزام دینے سے کفار کی مراد کاذب تھی۔ نہ یہ کہ وہ آپ کو کلام منظوم و مقفی کہنے والا قرار دیتے تھے ؂

پس سید صاحب نے جو یہ لکھا ہے۔ کہ نبی شاعر نہیں ہو سکتا۔ اور اس بناء پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر جو انہوں نے اعتراض کیا۔ وہ باطل ہے ؂

سیدحبیب صاحب کی تیسری دلیل کی حقیقت

جناب سید حبیب صاحب نے اپنے مضمون کی پانچویں قسط میں "ترک مرزائیت" مصنفہ لال حسین اختر کے صفحہ ۹ سے صفحہ ۲۲ تک کی بحث کو اختصار سے نقل کر دیا ہے۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے (نعوذ باللہ) جھوٹے ہونیکی تیسری دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کی سب سے بڑی خوبی سادگی ہے۔ حضورؐ کا دعویٰ ہے۔ کہ وہ خدا کے بھیجے ہوئے رسول اور نبی ہیں۔ اور اس کے بندے ہیں۔ اور بس۔ ان کے دعوے میں کوئی ایچ پیچ نہیں۔ برعکس اس کے مرزا صاحب کے دعاوی کی کثرت اور ان کے تنوع کا یہ حال ہے۔ کہ انسان انکی فہرست کو دیکھکر پریشان ہو جاتا ہے۔"

اس کے بعد بزعم خود حضورؑ کے بیس مختلف دعاوی درج کر کے لکھتے ہیں۔ "دعاوی کی تو انتہا ہی نہیں۔ کہاں تک لکھتا چلا جاؤں۔ اب انسان عقیدہ لائے۔ تو کس دعویٰ پر"

خود تجویز کردہ معیار

سید صاحب کی اس دلیل کا ماحصل جیسا کہ عبارت مافوق سے ظاہر ہے۔ یہ ہے۔ کہ کسی مدعیٔ نبوت کے جھوٹے ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے۔ کہ اس کے دعاوی۔ نبی رسول۔ اور بندہ ہونے تک محدود ہوں۔ مگر سید صاحب نے حسب عادت اس معیار کی تائید میں بھی نہ تو قرآن مجید کی کسی آیت کا حوالہ دیا ہے۔ اور نہ ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد پیش کیا ہے۔ تاکہ انکی روشنی میں آپ کے پیشکردہ معیار کے متعلق کہا جا سکتا۔ کہ یہ سید صاحب کی اپنی ایجاد نہیں۔ بلکہ قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کے مطابق ہے۔ سید صاحب کا قرآن مجید اور احادیث نبویہ کو چھوڑ کر اپنے کمزور اور بودے عقلی ڈھکوسلوں کو پیش کرنا نہایت تعجب انگیز ہے۔ کیونکہ کسی دینی معاملہ پر بحث و تمحیص کرتے ہوئے قرآن اور احادیث کو چھوڑ کر کسی اور چیز کی طرف رجوع کرنا ایک مسلمان کی شان کے شایاں نہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو اپنے من گھڑت اصل و معیار پر پرکھنا چاہتے تھے۔ فرمایا۔ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (فرقان) یعنی وہ کہتے ہیں) یہ عجیب رسول ہے۔ جو کھانا کھاتا۔ اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ گویا ان کے

نزدیک نبی ایسا ہونا چاہیئے تھا۔ جو نہ تو کچھ کھائے۔ اور نہ بازاروں میں چلے پھرے لیکن چونکہ ان کا قائم کردہ یہ معیار درست نہ تھا۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے ان کے خیال کی مذمت کی۔ اور اسے واہیات قرار دیا۔ سید صاحب کا معیار بھی بعینہٖ ایسا ہی ہے۔ کیونکہ جس طرح اُنھوں نے اپنے ایسے من گھڑت معیار کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کو پرکھنا چاہا تھا۔ جس کی ان کے پاس دلیل نہ تھی۔ اسی طرح سید صاحب نے بھی اپنے پیشکردہ معیار کی قرآن مجید یا حدیث سے تائید پیش کئے بغیر اس کی بنا پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت پر اعتراض کر دیا۔

غیر منصفانہ طریق عمل

افسوس ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی کی فہرست پیش کرتے ہوئے۔ سید صاحب نے منصفانہ اور محققانہ طریق اختیار نہیں کیا۔ بلکہ حضورؑ کی طرف بعض ایسے دعاوی منسوب کر دئے ہیں۔ جن سے آپکو دُور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ نہ ایسے دعاوی حضور نے کئے۔ اور نہ ہی وہ آپ کی جماعت کے معتقدات میں شامل ہیں۔ ایسے دعاوی کو سید صاحب کی پیش کردہ فہرست سے خارج کر کے اگر حضورؑ کے باقی دعاوی کو بنظر انصاف دیکھا جائے۔ تو وہ دراصل ایک ہی دعویٰ کی مختلف حیثیات اور اعتبارات کا اظہار ہے۔ یہ بات اگر قابلِ اعتراض ہے۔ تو پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات تک ہی اعتراض محدود نہیں رہیگا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی پڑیگا۔ کیونکہ جس طریق پر سید صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی شمار کر کے اُنہیں کثیر ظاہر کیا ہے۔ اسی طریق پر اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعاوی کو دیکھا جائے۔ تو حضورؐ کے دعاوی کی فہرست بہت زیادہ طویل بنجاتی ہے۔ اور سید صاحب کا یہ خیال قطعاً غلط ہو جاتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف نبی رسُول اور خدا کا بندہ ہونے کے دعاوی کئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعاوی

ذیل میں حضورؐ کے چند دعاوی بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ ذیل دعاوی بیان ہوئے ہیں:-

سورۂ احزاب رکوع ۶ میں حضور کو (۱) نبی (۲) شاہد (۳) مبشر (۴) نذیر (۵) داعی الی اللہ (۶) سراج منیر۔ نیز رکوع ۵ میں (۷) خاتم النبیین۔ سورہ انبیاء

رکوع ۷ میں (۸) رحمۃ للعالمین۔ سورہ مزمل رکوع ۱ میں (۹) مثیل موسیٰ۔ سورۂ غاشیہ میں (۱۰) مذکّر۔ سورۂ مزمل میں (۱۱) مزمّل۔ سورۂ مدثر میں (۱۲) مدثر۔ سورۂ یٰسٓ میں (۱۳) سیّد اور (۱۴) مرسل۔ سورۂ مدثر رکوع ۱ میں (۱۵) عبد اللہ۔ سورۂ زمر رکوع ۲ میں (۱۶) اول المسلمین۔ سورۂ توبہ رکوع ۱۶ میں (۱۷) رؤوف (۱۸) رحیم اور سورۃ الصافات رکوع ۱ میں (۱۹) مصدق المرسلین قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح احادیث میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے دعاوی بیان ہوئے ہیں۔ چنانچہ بخاری باب مَاجَاءَ فی اسماء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِی الَّذِیْ یَمْحُوا اللّٰہُ بِیَ الْکُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ وَاَنَا الْعَاقِبُ۔ یعنے میں محمد ہوں احمد ہوں۔ ماحی ہوں میرے ذریعہ خدا تعالےٰ کفر کو مٹائیگا۔ میں حاشر ہوں میرے قدم پر لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا۔ اور میں عاقب ہوں۔

مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۲۷ میں عرباض بن ساریہؓ سے یہ روایت آئی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ لَخَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَاِنَّ اٰدَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِہٖ وَسَاُنَبِّئُکُمْ بِاَوَّلِ ذَالِکَ دَعْوَۃُ اَبِیْ اِبْرَاھِیْمَ وَبَشَارَۃُ عِیْسٰی بِیْ۔ یعنی میں خدا کا بندہ ہوں۔ اس وقت سے خاتم النبیین ہوں۔ جبکہ آدم ابھی اپنی مٹی میں تھے۔ اور میں تم کو اس کی ابتدا بتاتا ہوں۔ کہ میں دعائے ابراہیم اور بشارت عیسیٰ ہوں ۞

دیلمی میں آیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (۸) اَنَا سَیِّدُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ مِنَ النَّبِیِّیْنَ یعنے میں پہلے اور پچھلے نبیوں کا سردار ہوں۔ نیز فرمایا (۹) اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِیْنَ یعنے میں رسولوں کا سپہ سالار ہوں۔ مسلم شریف میں آیا ہے (۱۰) اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یعنے میں تمام بنی نوع آدم کا سردار ہوں۔

زرقانی شرح مؤطا جلد ۳ باب ذکر اسمائہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ ذیل دعاوی مذکور ہیں۔ (۱۱) المقتفی (۱۲) نبی الرحمۃ (۱۳) نبی التوبہ (۱۴) نبی الملحمۃ (۱۵) رسول الرحمۃ (۱۶) رسول التوبہ (۱۷) رسول الملاحم (۱۸) قیم (۱۹) فاتح (۲۰) المختار (۲۱) المصطفیٰ (۲۲) المتوکّل۔ ان کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور بھی بہت سے دعاوی بیان ہوئے ہیں۔ اور مختصر یہ کہ حضورؐ کے کل دعاوی ایک ہزار ہیں۔ چنانچہ زرقانی شرح مؤطا جلد ۳ باب ذکر اسمائہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مجمع البحار جلد اوّل زیر بحث حمد میں آیا ہے ذَکَرَ ابْنُ الْعَرَبِیِّ عَنْ بَعْضِ الصُّوْفِیَّۃِ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَلْفُ اسْمٍ وَلَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اَلْفُ اسْمٍ بَعْضُھَا فِی الْقُرْاٰنِ وَالْحَدِیْثِ وَبَعْضُھَا فِی الْکُتُبِ الْقَدِیْمَۃِ یعنے حضرت شیخ محی الدین ابن عربی نے بعض صوفیاء سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہزار نام ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی ایک ہزار ۞

سید حبیب صاحب نے بزعم خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیس دعاوی بیان کر کے انہیں پریشان کن قرار دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ "اب انسان عقیدہ لائے تو کس پر" کیا آپ اپنی اسی اصل کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعاوی کو بھی پریشان کن قرار دینے کی جرأت کریں گے اور کہیں گے۔ کہ "انسان عقیدہ لائے تو کس پر"؟

پس نہ صرف یہ کہ سید صاحب نے جو معیار پیش کیا ہے اسکی قرآن مجید اور احادیث سے تائید نہیں ہوتی بلکہ اسکی پرزور تردید ہوتی ہے۔

مخالفین کے منسوب کردہ دعاوی

یعنے جسقدر دعاوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان کئے وہ سب قرآن مجید اور احادیث میں مذکور ہیں اور مسلمان ان تمام دعاوی پر ایمان رکھتے ہیں۔ اگر میں سید صاحب کی طرح ان دعاوی کو بھی اس فہرست میں شامل کر دوں جو مخالفین اسلام قرآن مجید کی بعض متشابہ آیات سے غلط استدلال کر کے حضورؐ کی طرف منسوب کرتے ہیں تو یہ فہرست بہت زیادہ طویل ہو جائے ۞

دیگر انبیاء کے دعاوی

سید صاحب کا یہ خیال بھی عجیب ہے کہ جس مدعی نبوت کے صرف نبی رسول اور بندہ ہونے کے دعاوی ہوں۔ وہ تو سچا مگر جس کے اس سے زیادہ ہوں وہ جھوٹا۔ نہ معلوم اس تعیین اور تحدید کی کیا وجہ ہے۔ اس معیار کے رو سے تو کوئی نبی بھی سچا ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سب انبیاء کے دعاوی میں کثرت پائی جاتی ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قرآن مجید سورہ مریم رکوع ۳ میں صدیق اور نبی سورہ ص میں عبد۔ مصطفےٰ اور خیر سورہ نحل ع ۱۵ میں امت قانت حنیف اور سورہ بقر ع ۱۵ میں امام اور مسلم قرار دیا ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سورہ نساء ع ۲۳ میں رسول اللہ۔ مسیح۔ کلمۃ اللہ۔ روح اللہ اور عبد سورہ مریم میں مبارک اور نبی کہا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاء کے تمام دعاوی ایک ہی دعوئ نبوت کی مختلف حیثیات اور اعتبارات ہیں۔ اگر یہ آپس میں متناقض اور متضاد ہوتے تو اس صورت میں مخالف اعتراض کر سکتا تھا۔ مگر چونکہ ان میں کوئی تضاد نہیں۔ اس لئے اعتراض بھی نہیں ہو سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی کا بھی یہی حال ہے۔ ان میں باہمی تناقض اور تضاد نہیں۔ بلکہ سب ایک دوسرے کی تائید کر رہے ہیں۔ لہٰذا ان پر بھی اعتراض نہیں ہو سکتا ؛

سید صاحب اپنے متعلق ہی غور فرمائیں

دعاوی کی کثرت کا مسئلہ کوئی ایسا مشکل اور دقیق نہ تھا۔ جسے سید صاحب تھوڑے سے تدبر سے سمجھ نہ سکتے تھے اگر آپ اپنی ذات کے متعلق ہی غور کرتے۔ تو آپ کی پریشانی فوراً دُور ہو سکتی تھی۔ سید صاحب اخبار "سیاست" کے محرر خصوصی بھی ہیں۔ اور لیڈر قوم بھی۔ آپ ایک جہت سے باپ ہیں۔ اور دوسری جہت سے بیٹا بھی۔ پھر ایک اعتبار سے دوست ہیں اور دوسرے اعتبار سے بھائی۔ اور علاوہ ان تمام دعاوی کے آپ انسان بھی ہیں۔ اور سید بھی۔ اب اگر کوئی شخص آپ کے دعاوی کی کثرت سے پریشان ہو کر یہ کہے کہ "میں عقیدہ لاؤں تو کس پر؟" تو سید صاحب اسے کیا جواب دیں گے؟ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ ایک نہایت لطیف نکتہ کی طرف اشارہ فرماتا ہے۔ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ یعنی انسان اگر اپنے نفس پر ہی غور کرے۔ تو بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں ؛

ایک مسلمہ اصل کی خلاف ورزی

تصنیف را مصنف نیکو کند بیان۔ ایک مسلمہ اور متفقہ اصل ہے۔ اسی طرح تفسیر القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ یعنے کسی قول کی ایسی تفسیر کرنا جو اس کے کہنے والے کو مسلم نہ ہو۔ علماء اصول کے نزدیک ہرگز جائز نہیں۔ اس اصل کے مطابق ایک محقق کا یہ فرض ہے۔ کہ جب اسکے سامنے کسی کی کوئی تحریر ہو۔ تو سب سے پہلے وہ یہ دیکھے کہ اسکے مصنف اور لکھنے والے نے اس کا کیا مفہوم اور مطلب بیان کیا ہے۔ اسکی اپنی بیان کردہ تشریح کے مقابلہ میں کوئی اور تشریح قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ مگر افسوس ہے کہ سید صاحب نے اس اصل کو اپنے سارے مضامین میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات کی تشریح کرتے ہوئے بالعموم اور حضورؑ کے دعاوی کی بحث میں بالخصوص نظر انداز کر دیا ہے۔ آپنے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

طرف بعض ایسے دعاوی منسوب کئے ہیں۔ جو نہ صرف یہ کہ حضور نے اپنی محکم عبارات میں انکے خلاف تصریح کی ہے۔ بلکہ جس حوالہ سے سید صاحب نے انہیں اپنے مضمون میں نقل کیا ہے۔ اسی جگہ انکی تشریح میں ان سے انکار کیا ہے۔ سید صاحب اگر مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریحات کا خود مطالعہ فرماتے۔ تو ان دعاوی کو ہرگز حضور کے دعاوی کی فہرست میں شامل نہ کرتے۔ یہی ایک بہت بڑی اور اصولی غلطی عیسائی وغیرہ دیگر مخالفین اسلام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید پر اعتراضات کرنے میں ہوئی ہے۔ اور اہل اسلام کی طرف سے ہمیشہ انہیں ان کی اس غلطی پر تنبیہ کی جاتی ہے ؛

اب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان دعاوی پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں جنہیں سید صاحب نے قابل اعتراض ٹھہرا کر ان پر نکتہ چینی کی ہے۔

آپ نے سب سے پہلے "اللہ تعالےٰ ہونے کا دعوےٰ" کے عنوان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب آئینہ کمالات اسلام کے صفحہ ۵۶۴ کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کی ہے۔

"رَاَیْتُنِیْ فِی الْمَنَامِ عَیْنَ اللّٰہِ وَتَیَقَّنْتُ اَنَّنِیْ ھُوَ ..... فَخَلَقْتُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ..... وَقُلْتُ اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ۔ ترجمہ۔ میں نے نیند میں خود کو ہوبہو اللہ دیکھا۔ اور مجھے یقین ہو گیا۔ کہ میں وہی اللہ ہوں۔ پس میں نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا۔ اور کہا کہ ہم نے آسمان کو ستاروں سے سجایا" (قسط پنجم)

ایک کشف پر بے جا اعتراض

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مذکورہ بالا عبارت سے اگر ایک عامی اور جاہل یہ استدلال کرتا کہ اس میں حضور نے "اللہ تعالےٰ ہونے کا دعوےٰ" کیا ہے۔ تو میں اسے ایک حد تک معذور خیال کرتا۔ مگر سید صاحب جیسے لکھے پڑھے انسان کی طرف سے یہ اعتراض نہایت مایوس کن ہے۔ پھر اگر سید صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی عبارت کا صحیح اردو ترجمہ نہ لکھ دیتے۔ تو میں یہ سمجھتا کہ شاید آپ عربی عبارت کے مفہوم پر پوری طرح غور نہ فرما سکے۔ اور اس وجہ سے آپنے اعتراض کر دیا۔ مگر اب میں حیران ہوں۔ کہ ان کے لئے اعتراض کرنے کا کیا عذر تلاش کروں کیونکہ جو ترجمہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عبارت کا کیا ہے اس میں صاف طور پر "کشف" اور "رؤیا" کا ذکر موجود ہے۔ اور کشف کو ظاہر پر محمول کرنا قرین دانشمندی نہیں کیونکہ کشف ہمیشہ تعبیر طلب ہوتا ہے۔ پس اگر سید صاحب کو اس کشف پر اعتراض کرنا ہی تھا

تو اسکی تعبیر معلوم کر کے اسپر اعتراض کرتے۔ نہ کہ کشف کے الفاظ کو ظاہر پر محمول کر کے بنائے اعتراض بنا لیتے۔

کشف کی تعبیر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کشف کی خود تعبیر بیان کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ "وَمَا نَعْنِیْ بِهٰذِهِ الْوَاقِعَةِ کَمَا یُعْنٰی فِیْ کُتُبِ اَصْحَابِ وَحْدَةِ الْوُجُوْدِ وَمَا نَعْنِیْ بِذٰلِكَ مَا هُوَ مَذْهَبُ الْحُلُوْلِیِّیْنَ بَلْ هٰذِهِ الْوَاقِعَةُ تُوَافِقُ حَدِیْثَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَعْنِیْ بِذٰلِكَ حَدِیْثَ الْبُخَارِیِّ فِیْ بَیَانِ مَرْتَبَةِ قُرْبِ النَّوَافِلِ لِعِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ (آئینہ کمالات اسلام صـ ۵۶۶)

یعنی مَیں اس خواب سے یہ مراد نہیں لیتا کہ میں خود خدا ہوں جیسے وحدۃ الوجودیوں کا عقیدہ ہے اور نہ ہی حلولیوں کی طرح یہ کہ خدا مجھ میں حلول کر آیا۔ بلکہ اس سے مراد وہی ہے جو بخاری شریف کی اس حدیث سے ہے۔ جس میں نوافل سے صلحا کے مرتبہ کی ترقی کا بیان ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرا بندہ نوافل سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ مجھ سے اتنا قرب حاصل کر لیتا ہے کہ میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ اسکی آنکھیں بنجاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ اسکے ہاتھ بنجاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اسکے پاؤں بنجاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے (بخاری باب التواضع جلد ۴)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس کشف میں اس مرتبہ کے حصول کا ذکر ہے جسکی بشارت اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ امت محمدیہ کے کامل افراد کو دی۔ لہذا اگر سید صاحب کو اس کشف پر اعتراض ہے تو اسکے یہ معنی ہوئے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کر رہے ہیں۔ کاش سید صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب کا خود مطالعہ فرماتے۔ اور "ترک مرزائیت" کے مصنف کی گمراہ کن تحقیق پر انحصار رکھتے ہوئے اعتراض کرنے نہ بیٹھ جاتے۔

علم تعبیر اور کشف حضرت مسیح موعود

علاوہ ازیں تعبیر کی کتابوں میں بھی اس کشف کی تعبیر کو نہ صرف یہ کہ قابل اعتراض نہیں ٹھہرایا گیا۔ بلکہ اسکی نہایت اعلیٰ تعبیر بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ تعطیر الانام میں جسے علم تعبیر الرؤیا میں خاص قبولیت اور شہرت حاصل ہے لکھا ہے "مَنْ رَأَی فِی الْمَنَامِ اَنَّهٗ صَارَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی فَسَوْفَ یُهْدٰی اِلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ" یعنی جو خواب میں یہ دیکھے کہ وہ خدا ہو گیا ہے۔ تو

اسکی تعبیر یہ ہوگی۔ کہ خدا تعالیٰ اسے ہدایت کی منزل مقصود تک پہنچا دے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ کشف میں انسان اپنے آپ کو خدا دیکھ سکتا ہے اور یہ کشف کسی اعلیٰ درجہ کے انسان ہی کو دکھایا جاتا ہے۔ اس پر اعتراض کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

خدا تعالیٰ کی ہستی اور حضرت مسیح موعودؑ

پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بقول سید صاحب خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ تو ضروری تھا کہ حضورؑ دوسرے مدعیان اُلوہیت کی طرح خدا کی ہستی کے منکر ہوتے اور معتقدین کو بھی خدا تعالیٰ کی ہستی کے انکار کی تلقین کرتے۔ مگر اس کے برعکس ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضورؑ کی کتابوں میں بار بار خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اسکے منکرین کے دلائل کو غلط ثابت کیا گیا ہے اور اپنی جماعت کو پرزور الفاظ میں اس وحدہٗ لاشریک ہستی پر ایمان لانے کی تلقین کی گئی ہے۔ چنانچہ حضور کشتی نوح صـ ۱۸ میں فرماتے ہیں۔

"تمام دنیا کا وہی خدا ہے۔ جس نے میرے اوپر وحی نازل کی۔ جس نے میرے لئے زبردست نشان دکھلائے۔ جس نے مجھے اس زمانہ کے لئے مسیح موعود کر کے بھیجا۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ جو شخص اسپر ایمان نہیں لاتا۔ وہ سعادت سے محروم اور خذلان میں گرفتار ہے۔"

پھر خدا تعالیٰ کی عبادت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اے وے تمام لوگو! جو اپنے تئیں میری جماعت میں شمار کرتے ہو۔ آسمان پر تم اُسی وقت میری جماعت میں شامل کئے جاؤ گے۔ جب سچ مچ تقویٰ کی راہوں میں قدم مارو گے۔ سو اپنی پنجوقتہ نمازوں کو ایسے خوف اور حضور سے ادا کرو۔ کہ گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو" (کشتی نوح صـ ۱۴)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس قسم کی محکم عبارات کی موجودگی میں آنکھیں بند کر کے یہ کہدینا کہ آپ نے خدائی کا دعویٰ کیا ایسا ہی ہے جیسا کہ آریہ اور عیسائی قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلمات سے شرک کی تعلیم ثابت کرتے ہیں۔ یا یہ کہ بعض آیات مثلاً وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی[1] اور اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ[2] وغیرہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دعویٰ اُلوہیت منسوب کرتے ہیں

[1] اے رسول تو نے نہیں پھینکا جب تو نے پھینکا لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکا۔ [2] اور جو تیری بیعت کرتے ہیں وہ اللہ کی بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے اُن کے ہاتھوں پر

الہام انت منی بمنزلۃ اولادی پر اعتراض

دوسرے نمبر پر سید صاحب "اللہ تعالیٰ کے فرزند ہونے کا دعوےٰ" کے عنوان سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات انت منی بمنزلۃ اولادی اور انت منی بمنزلۃ ولدی کو دیتے تو مجھ سے بمنزلہ میرے بیٹوں کے ہی پیش کر کے لکھتے ہیں:۔

"اب ناظرین کرام خود انصاف کریں۔ کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ پر ایمان رکھنے والا ان دعاوی کو کیسے صحیح تسلیم کر سکتا ہے۔ مسیحی بھی تو یہی کہتے ہیں کہ مسیح خدا کا بیٹا یوں نہیں۔ جیسے ہم انسان اپنے باپ کے نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ بلکہ وہ خدا کے بیٹے اور اسکی اولاد کی جگہ ہے۔ معاذ اللہ۔

اس دعویٰ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے میں بھی سید صاحب نے وہی غلطی کی ہے۔ جو خدائی کا دعویٰ منسوب کرنے میں کی تھی۔ یعنی آپ نے اس تشریح کو مدنظر نہیں رکھا۔ جو خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان الہامات کی بیان فرمائی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی بیان کردہ تشریح

حضورؑ فرماتے ہیں:۔

"خدا میں فانی ہونے والے اطفال اللہ کہلاتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں۔ کہ وہ خدا کے درحقیقت بیٹے ہیں۔ کیونکہ یہ تو کلمہ کفر ہے اور خدا بیٹوں سے پاک ہے بلکہ اس لئے استعارہ کے رنگ میں وہ بیٹے کہلاتے ہیں۔ کہ وہ بچہ کی طرح دلی جوش سے خدا تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اسی مرتبہ کی طرف قرآن شریف میں اشارہ کر کے فرمایا گیا ہے (فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا) یعنے خدا کو ایسی محبت اور دلی جوش سے یاد کرو۔ جیسا کہ بچہ اپنے باپ کو یاد کرتا ہے۔ اسی بناء پر ہر ایک قوم کی کتابوں میں اَب یا پتا کے نام سے خدا کو پکارا گیا ہے اور خدا تعالیٰ کو استعارہ کے رنگ میں ماں سے بھی ایک مشابہت ہے اور وہ یہ کہ جیسے ماں اپنے پیٹ میں اپنے بچہ کی پرورش کرتی ہے۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ کے پیارے بندے خدا کی محبت کی گود میں پرورش پاتے ہیں۔ اور ایک گندی فطرت سے ایک پاک جسم انہیں ملتا ہے۔ سو اولیاء کو جو صوفی اطفال حق کہتے ہیں۔ یہ صرف استعارہ ہے ورنہ خدا اطفال سے پاک اور لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ہے"۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۴)

اسی طرح دافع البلاء کے صفحہ ۶ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"یاد رہے کہ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ اور نہ بیٹا ہے۔ اور نہ کسی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں۔ لیکن یہ فقرہ (انت منی بمنزلۃ اولادی) اس جگہ قبیل استعارہ اور مجاز سے ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا ہے۔ اور فرمایا يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ .... اور میری نسبت بینات سے یہ الہام ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ"

مذکورہ بالا تحریرات کی موجودگی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عقیدہ کے متعلق کوئی پہلو باقی نہیں رہ جاتا۔ پھر سید صاحب کو کیا حق ہے کہ وہ خواہ مخواہ حضور کی طرف ایسا عقیدہ منسوب کریں۔ جس سے بار بار آپ نے انکار کیا۔

الہامات زیر بحث کا مطلب

درحقیقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات میں حضور کو خدا تعالیٰ نے بمنزلۃ ولدی سے یاد فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جسکو عیسائی لوگ میرا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ تو اس کے مرتبہ پر ہے یعنی اس کا مثیل ہے۔ اور اس صورت میں ولد کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف نصاریٰ کے اعتقاد کی رو سے ہوگی اور یہ تاویل خارج از جواز نہیں کیونکہ اسی رنگ میں قرآن مجید میں آیا ہے۔ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ (حٰم السجدہ ع) یعنے قیامت کے روز خدا تعالیٰ مشرکین کو بُلا کر پوچھے گا۔ بتاؤ میرے شریک کہاں ہیں وہ جواب دینگے ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی گواہ نہیں۔ اس آیت میں شرکاء کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت دی ہے۔ لیکن نہ بطور واقعہ اور حقیقت نفس الامری کے۔ بلکہ مشرکین کے اعتقاد کی رو سے خدا تعالیٰ کی مراد "میرے شریک" سے یہ ہے۔ کہ وہ لوگ جنکو تم میرے شریک ٹھہراتے تھے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام میں فرمایا۔ تو بمنزلہ میرے بیٹے کے ہے۔ یعنی جسکو عیسائی میرا بیٹا قرار دیتے ہیں تو اس کے مقام پر اور اس کا مثیل ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خود تحریر فرماتے ہیں "خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے اور یہ کلمہ (انت منی بمنزلۃ ولدی) بطور استعارہ کے ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں ایسے ایسے الفاظ سے نادان عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا ٹھہرا رکھا ہے۔ اس لئے مصلحت الٰہی نے یہ چاہا کہ اس سے بڑھ کر الفاظ اس عاجز کے لئے استعمال کرے تا عیسائیوں کی آنکھیں کھلیں۔ اور وہ سمجھیں کہ وہ الفاظ جن سے مسیح کو خدا بناتے ہیں۔ اس امت

میں بھی ایک ہے۔ جس کی نسبت اس سے بڑھ کر ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں"۔

(حاشیہ حقیقۃ الوحی ص۸۶)

اطفال اللہ کا استعارہ

گو تتمہ حقیقۃ الوحی ص۱۴۳ کے حوالہ سے یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ یعنی یاد کرو اللہ کو جیسے تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو کا محاورہ استعمال کر کے خدا کو باپ سے تشبیہ دی ہے۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام کے الفاظ پر شرعاً کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ تاہم مزید وضاحت کیلئے یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ اولیاء اللہ کو عام طور پر استعارہ کے رنگ میں اطفال اللہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا روم مثنوی دفتر سوم میں فرماتے ہیں۔

اولیاء اطفال حق اند اے پسر   در حضور و غیبت آگاہ باخبر
غائبے مندیش از نقصان شاں   کو کشد کیں از برائے جان شاں
گفت اطفال من اند ایں اولیاء   در غریبی مزد از کار و کیا

اسی طرح حدیث مشکوٰۃ کتاب الشفقۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت آئی ہے حضور فرماتے ہیں اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ یعنی ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے پس سب سے زیادہ محبوب مخلوق خدا تعالیٰ کی وہ ہے جو اس کے عیال سے احسان کرے۔

یسوع مسیح کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ

سید صاحب نے اس جگہ عیسائیوں کے معتقدات میں بھی دخل دیا ہے آپ فرماتے ہیں "مسیحی بھی تو یہ کہتے ہیں۔ کہ مسیح "خدا کے بیٹے اور اُسکی اولاد کی جگہ ہے۔" اُلوہیت مسیح کا مسئلہ آج تک بڑے بڑے عیسائی مصنفین کے لئے بھی ایک عقدہ لاینحل رہا ہے۔ اس لئے سید صاحب اگر اسے سمجھ نہیں سکے تو یہ کوئی تعجب انگیز امر نہیں۔ میں آپ کو اس میں معذور خیال کرتا ہوں اور انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ عیسائی صاحبان حضرت مسیح علیہ السلام کو حقیقۃً ابن اللہ کہتے ہیں۔ اور آپ نے ان کے عقیدہ کی تشریح کرتے ہوئے جو یہ فرمایا ہے۔ کہ وہ مسیح کو "خدا کے بیٹے اور اسکی اولاد کی جگہ" سمجھتے ہیں۔ صحیح نہیں۔ "عقیدہ اتھاناسیس" عیسائیوں کا ایک مشہور عقیدہ ہے۔ اور علماء تثلیث کے نزدیک اس پر ایمان لانا ضروری اور مدار نجات ہے۔ اسکی تعریف انہی کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

"جو کوئی نجات چاہتا ہو۔ اس کو سب باتوں سے پہلے ضرور ہے کہ عقیدہ جامعہ رکھے اور عقیدہ

جامعہ یہ ہے کہ ہم تثلیث میں واحد خدا کی اور توحید میں تثلیث کی پرستش کریں۔ نہ اقانیم کو ملائیں نہ ماہیت کو تقسیم کریں کیونکہ باپ ایک اقنوم بیٹا ایک اور روح قدس ایک اقنوم ہے۔ مگر باپ بیٹے اور رُوح القدس کی اُلوہیت ایک ہی ہے۔ جلال برابر عظمت ازلی یکساں جیسا باپ ہے ویسا ہی بیٹا اور ویسا ہی روح قدس ہے۔ باپ غیر مخلوق۔ بیٹا غیر مخلوق اور رُوح القدس غیر مخلوق۔ باپ غیر محدود۔ بیٹا غیر محدود اور رُوح قدس غیر محدود۔ باپ ازلی۔ بیٹا ازلی۔ اور روح القدس ازلی . . . . . یونہی باپ قادر مطلق۔ بیٹا قادر مطلق اور رُوح قدس قادر مطلق . . . . . ایسا ہی باپ خدا بیٹا خدا اور رُوح قدس خدا . . . . . . اسی طرح باپ خداوند بیٹا خداوند۔ اور رُوح قدس خداوند . . . . . . جس طرح مسیحی عقیدہ سے ہم پر فرض ہے کہ ہر ایک اقنوم کو جُداگانہ خدا اور خداوند مانیں اسی طرح دین جامعہ سے ہمیں یہ کہنا منع ہے کہ تین خدا یا تین خداوند ہیں۔ باپ کسی سے مصنوع نہیں نہ مخلوق نہ مولود۔ بیٹا اکیلے باپ سے ہے۔ مصنوع نہیں نہ مخلوق نہ مولود ہے۔ رُوح قدس باپ اور بیٹے سے ہے۔ نہ مصنوع نہ مخلوق نہ مولود پر نکلتا ہے۔ پس ایک باپ ہے نہ تین باپ ایک بیٹا ہے نہ تین بیٹے ایک رُوح قدس نہ تین روح قدس۔ اور اس تثلیث میں ایک دوسرے سے پہلے پیچھے نہیں ایک دوسرے سے بڑا یا چھوٹا نہیں۔ بلکہ تینوں اقانیم باہم ازل سے برابر یکساں ہیں۔"

(دعائے عمیم صفحہ ۲۴ و ۲۵)

عقیدہ تثلیث کی مذکورہ بالا تشریح سے امید ہے۔ سید صاحب کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس عقیدہ کے متعلق ان کا جو خیال ہے وہ صحیح نہیں ؛

مزید شہادت

مزید تشریح کے لئے مولانا محمد رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی کا مندرجہ ذیل ارشاد ملاحظہ ہو۔ آپ اپنی کتاب ازالۃ الاوہام میں تحریر فرماتے ہیں :-

"فرزند عبارت از عیسٰے علیہ السلام است کہ نصاریٰ آنجناب را حقیقۃً ابن اللہ میدانند واہل اسلام آنجناب را ابن اللہ بمعنی عزیز و برگزیدۂ خدا مے شمارند"

اس حوالہ سے جہاں مسیحی عقیدہ کی وضاحت ہو رہی ہے۔ وہاں ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ابن اللہ کا لفظ استعارۃً بمعنے عزیز اور برگزیدہ استعمال ہوتا ہے۔ سید ولی اللہ شاہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی الفوز الکبیر میں بائیبل کے محاورہ ابن اور ولد کے متعلق

تحریر فرماتے ہیں۔ ”دریں باب بلفظ شائع در ہر قوم تکلّم واقع شد۔ اگر لفظ ابناء بجائے محبوبان ذکر شدہ چہ عجب“۔ یعنے بائبل میں انبیاء علیہم السلام کو جو خدا کے بیٹے کہہ کر پکارا گیا ہے۔ اس سے مراد اگر محبوبانِ الٰہی لیا جائے۔ تو اس میں کوئی ہرج نہیں۔ کیونکہ یہ محاورہ ہر قوم میں رائج اور مشہور ہے پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات تمام صحائف آسمانی کے عین مطابق ہیں اور ان پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔

کرشن برہمن اوتار وغیرہ دعاوی کا مطلب

اس کے بعد سید صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کرشن برہمن اوتار اور آریوں کے بادشاہ ہونے کے دعاوی کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان دعاوی پر مفصل بحث بعد میں کی جائے گی۔ اس لئے تفصیلی جواب بھی اسی موقعہ پر دیا جائے گا جہاں آپ نے ان مسائل پر بحث کی ہے۔ فی الحال اجمالی رنگ میں اس قدر عرض کر دینا ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان دعاوی سے مراد صرف اس قدر ہے کہ آپ ہندوؤں کے لئے بھی آسمانی مصلح اور مثیل کرشن ہیں۔ اسلام نے ہر قوم میں انبیاء کی آمد کو تسلیم کیا ہے جیسا کہ فرمایا وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا یعنے ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجے ہیں۔ اس قرآنی ارشاد کے ماتحت جیسا کہ بعض متقدمین نے بھی لکھا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہندوستان میں بھی خدا تعالےٰ نے اپنے برگزیدہ بندے بھیجے۔ اور حضرت کرشن کو ان میں ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ وہ گیتا ادھیائے ۴ میں فرماتے ہیں کہ جب دنیا میں ادھرم کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ تو میں اوتار لیتا ہوں جس سے مراد یہ ہے کہ بدی کے پھیلنے پر انکا کوئی مثیل دنیا میں اصلاح کے لئے ظاہر ہوتا ہے۔ انبیاء اور مصلحین کی دوبارہ آمد کی پیشگوئیاں بہت سے مذاہب میں پائی جاتی ہیں مگر لوگ مرورِ زمانہ سے آسمانی اور الہامی زبان کو جو تمثیلات اور استعارات سے پُر ہوتی ہے عام طور پر سمجھ نہیں سکتے۔ اور وہ پیشگوئیوں کو ظاہر پر حمل کر کے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جن انبیاء اور مصلحین کی آمد ثانی کی پیشگوئی کی گئی ہے۔ وہ کسی خاص مقام پر اسی جسم کے ساتھ زندہ بیٹھے ہیں اور وقت مقررہ پر خود تشریف لائینگے۔ جن قوموں میں تناسخ کا عقیدہ پیدا ہو گیا۔ وہ یہ سمجھ لیتی ہیں کہ وہ دوسرا جنم لیکر ظاہر ہونگے۔ یہودیوں نے الیاسؑ کی۔ اور مسلمانوں اور مسیحیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی دوبارہ آمد کی پیشگوئیوں سے یہی دھوکا کھایا۔ اور ہندوؤں کو بھی کرشن کی دوبارہ آمد کے متعلق یہی غلطی لگی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے الہام الٰہی سے اطلاع پا کر اعلان کیا۔ کہ یہ خیالات غلط ہیں

اور میں جو اس زمانہ میں ہر قوم کے لئے مصلح ہو کر آیا ہوں۔ ہندوؤں کے لئے کرشن ہوں۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں:۔

”میرا اس زمانہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آنا محض مسلمانوں کی اصلاح کیلئے ہی نہیں۔ بلکہ مسلمانوں اور ہندوؤں اور عیسائیوں تینوں قوموں کی اصلاح منظور ہے اور جیسا کہ خدا نے مجھے مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے مسیح موعود کر کے بھیجا ہے۔ ایسا ہی ہندوؤں کے لئے بطور اوتار کے ہوں میں ان گناہوں کے دور کرنے کے لئے جنسے زمین پُر ہو گئی تھی۔ جیسا کہ ابن مریم کے رنگ میں ہوں۔ ایسا ہی راجہ کرشن کے رنگ میں ہوں“ (لیکچر سیالکوٹ صـ۱۹)

گویا حضور کا دعوی جس طرح مثیلِ ابن مریم ہونے کا ہے۔ اسی طرح مثیل کرشن ہونے کا ہے اور لفظ اوتار کی اصطلاح کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِھِمْ یعنے لوگوں سے باتیں کرو انکی سمجھ کے مطابق کے اصل کے ماتحت اختیار کی گئی ہے جس سے مراد وہ حقیقت نہیں جو حلولیین کا عقیدہ ہے۔ کیونکہ جیسا کہ آئینہ کمالات اسلام صـ۵۶۶ کے حوالہ سے ظاہر ہے۔ اس عقیدہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیزاری کا اظہار کیا ہے۔

اوتار بمعنی نبی

درحقیقت اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو نبی کے لئے لفظ اوتار اپنی اصل وضع کے لحاظ سے بُرا نہیں۔ کیونکہ استعارہ اور مجاز کے رنگ میں خدا تعالےٰ کے انبیاء کا آنا خدا تعالےٰ ہی کا آنا ہوتا ہے۔ آسمانی صحائف میں یہ محاورہ عام ہے اور بخاری شریف کی قدسی حدیث سے بھی جس میں یہ ذکر آتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقربین کے اعضا بنجاتا ہے۔ اسکی تائید ہوتی ہے پس ”برہمن اوتار“ کے معنے ”خدا کا نبی“ ہیں۔ برہما خدا کا نام ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسکے معنی خود بیان فرما دیئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔ ”راجہ کرشن جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے۔ درحقیقت ایک ایسا کامل انسان تھا جسکی نظیر ہندوؤں کے کسی رشی اور اوتار میں نہیں پائی جاتی۔ اور اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا جسپر خدا کی طرف سے روح القدس اُترتا تھا۔ وہ خدا کی طرف سے فتحمند اور با اقبال تھا۔ جس نے آریہ ورت کی زمین کو پاپ سے صاف کیا۔ وہ درحقیقت اپنے زمانہ کا نبی تھا“ (لیکچر سیالکوٹ صـ۲)

پس سید صاحب کا ان الفاظ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی کو قبول کرنے سے انکار کی ”زبردست دلیل“ قرار دینا درست نہیں۔

آریوں کا بادشاہ ہونیکا مطلب

اسی طرح ”آریوں کا بادشاہ“ پر اعتراض کرنا بھی

بے معنی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یعنے میں تمام بنی نوع انسان کا سردار ہوں۔ اس میں آریہ عیسائی وغیرہ تمام اقوام شامل ہیں۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آریوں کے بادشاہ ہونے کے دعوے پر اعتراض ہو سکتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آریوں۔ عیسائیوں۔ دہریوں اور تمام کفار کے سردار ہونے کے دعویٰ پر اعتراض کیوں صحیح نہیں؟ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام نے "یہودیوں کا بادشاہ" ہونے کا دعویٰ کیا اور یہودیوں نے اسپر تمسخر اڑایا مگر ان عقل کے اندھوں نے یہ نہ سوچا کہ انبیاء کی بادشاہت روحانی ہوتی ہے۔ یہی بات سید صاحب کو پیش نظر رکھنی چاہیئے۔

ابن مریم اور مسیح موعود ہونے کے دعوے

ابن مریم اور مسیح موعود ہونے کے دعاوی سے مراد واضح ہے یعنی یہ کہ امتِ محمدیہ کو جس مسیح موعود کی آمد کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشارت دی تھی۔ اس کے آپ مصداق ہیں مسیح ناصری عیسیٰ علیہ السلام چونکہ قرآن مجید اور احادیث کی رو سے فوت ہو گئے ہیں اس لئے انکی آمد سے مراد ان کے مثیل کی آمد ہے۔ جیسا کہ الیاسؑ کی آمد ثانی ان کے مثیل یعنی یوحنا کے رنگ میں ہوئی۔ ایسے ہی ابن مریمؑ کی آمد ثانی مثیل ابن مریم کے رنگ میں ہوئی۔

ظلی اور جزوی نبوت سے مراد

ظلی اور جزوی نبوت کے دعویٰ سے مراد یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور پیروی سے برکات اور فیوض نبوت حاصل ہوئے۔ اور اسکی تشریح آپ نے بارہا کی ہے۔

فنافی الرسول کا مقام

محمدؐ مفلح۔ محمد۔ ظلی محمد۔ اور ظلی احمد ہونے کے دعویٰ سے فنافی الرسول کے مقام کی طرف اشارہ ہے۔ کمال محبت کا اقتضا یہی ہے کہ محب محبوب میں کامل طور پر فنا ہو جائے۔ اپنے وجود کو اس کے وجود میں گم کر دے۔ اور من تو شدم تو من شدی کا مصداق ہو جائے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مقتضائے کمال محبت رفع اثنینیت است، و اتحاد محب و محبوب" (مکتوبات امام ربانی جلد ثالث مکتوب ہشتاد و ہشتم) نیز سورۂ جمعہ کی آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ الآیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ثانیہ کی پیشگوئی کی گئی ہے جس سے مراد حضور علیہ السلام کے کامل ظل کی آمد ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے اس پیشگوئی کے مصداق ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی بعثت تکمیل ہدایت کے لئے تھی اور دوسری بعثت تکمیل اشاعت کے لئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تکمیل اشاعت کے کام کو باحسن وجوہ سرانجام دیا اور اپنے فرض میں حضور کو جو کامیابی اور فلاح حاصل ہوئی۔ اس کے دوست اور دشمن گواہ ہیں۔ لہذا آپ حقیقتاً "مفلح" یعنی کامیاب کہلانے کے مستحق ہیں۔

احمدؐ سے مراد

احمد ہونے کے دعویٰ سے مُراد یہ ہے کہ آپ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ کی پیشگوئی کے مصداق ہیں۔

محدث سے مراد

محدث ہونے کے دعویٰ سے مراد یہ ہے کہ حضور کو خدا تعالےٰ کے ساتھ مکالمہ مخاطبہ کا شرف حاصل تھا۔

مجددؑ سے مراد

مجدد ہونے کے دعویٰ سے مراد یہ ہے کہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَهَا دِیْنَهَا (ابوداؤد کتاب الفتن) یعنی خدا تعالیٰ بھیجتا رہے گا امتِ محمدیہ میں دین کی تجدید کے لئے ہر صدی کے سر پر مجدد۔ اس کے آپ مصداق ہیں۔ اور آپ اس صدی کے مجدد ہیں۔ اگر حضور مجدد نہیں تو کوئی اور ہی مجدد پیش کرو۔

مہدی ہونے کا دعویٰ

مہدی ہونے کے دعویٰ سے مراد یہ ہے کہ احادیث میں جس امام مہدی کی آمد کی پیشگوئی کی گئی تھی اس کے آپ مصداق ہیں کیونکہ آپ مسیح موعود ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لَا مَهْدِیَ اِلَّا عِیْسٰی (ابن ماجہ) یعنی مہدی اور مسیح موعود ایک ہی شخص ہے جس کے دو حیثیتوں کے لحاظ سے دو نام ہونگے۔

صور ہونے سے مراد

صور ہونے کے دعویٰ سے مراد بھی مسیح موعود ہونے کا دعویٰ ہے کیونکہ حضورؑ فرماتے ہیں "اس جگہ صور کے لفظ سے مراد مسیح موعود ہے کیونکہ خدا کے نبی اس کی صور ہوتے ہیں۔" چشمۂ معرفت ص۷۷ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خدائی قرنا یعنی صور کی حقیقت بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ انبیاء کے ذریعہ اپنی آواز پہنچاتا ہے اور مسیح موعودؑ بھی چونکہ اس کا نبی ہے اسلئے اسے بھی صور ٹھہرایا ہے۔

سنگ اسود ہونے سے مراد

سنگ اسود ہونے کا دعویٰ بھی سید صاحب کے لئے تعجب انگیز نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب انبیاء کو بشمولیت خود قصر نبوت کی اینٹیں اور پتھر قرار دیا ہے (بخاری) اور توریت میں حضور علیہ السلام کی جو بشارت دی گئی ہے اس میں بھی حضور کو کونے کا پتھر قرار دیا گیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کامل بروز اور ظل ہیں۔ اس لئے آپ بھی کونے کا پتھر ہونے میں شامل ہیں۔

بعض اور الہامات کی تشریح

اینی الملک جے سنگھ بہادر کا الہام جیسا کہ البشریٰ جلد ۲ میں لکھا ہے حضورؑ کو ۸ ستمبر ۱۹۰۶ء کو ہوا۔ اس کے ساتھ ہی یہ الہام ہوا۔ ”شیر خدا نے ان کو پکڑا اور شیر خدا نے فتح پائی“۔ جس سے اس الہام کا مطلب نہایت واضح ہو جاتا ہے کہ یہ تمام الہامات آیت اِنَّ جُنْدَنَا لَھُمُ الْغَالِبُوْن کی تفسیر ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو شیر خدا کا خطاب دیکر فرمایا۔ کہ تو اپنے دشمنوں پر فتح پائے گا“ سنگھ بہادر کے معنے بھی شیر بہادر کے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ القاب ہیں۔ اس کے تمام نبی شیر بہادر ہوتے ہیں جن کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وہ ہر میدان میں فتح پاتے ہیں اور انکی جے کے نعرے بلند ہوتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دشمنوں کو دیکھ لو کہ ان کا نام صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا اور مٹتا جا رہا ہے اسکے مقابل حضورؑ کو خدا تعالےٰ نے وہ اقبال بخشا کہ آپ کا نام دنیا کے کونوں تک پہنچا۔ اور ہر جگہ ”غلام احمد کی جے“ کے نعرے بلند کئے جاتے ہیں۔ پس یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنے مخالفوں کے مقابل پر فتح پانے کی ایک پیشگوئی ہے جو حرف بحرف پوری ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام انہی الہامات کی روشنی میں فرماتے ہیں ؎

جو خدا کا ہے اسے للکارنا اچھا نہیں ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اے روبۂ زار و نزار

انبیاء کے بہت سے صفاتی نام ہیں جو ان کے مختلف کاموں کی وجہ سے انہیں دئے جاتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے ایک ہزار نام ہیں۔ سید حبیب صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جسقدر دعاوی شمار کئے ہیں۔ یہ بھی حضور کے صفاتی نام ہیں جو درحقیقت ایک ہی دعویٰ نبوت کے مختلف اعتبارات ہیں۔ علماء اصول نے لکھا ہے الاعتبارات والحیثیات تعتبر۔

غلط طریق بحث

میں اس سے پیشتر یہ عرض کر چکا ہوں کہ سید صاحب کی بحث اصولی نہیں

آپ فروعی بحث میں اُلجھ کر رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ اگر آپ سب سے پہلے حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ نبوت کو قرآنی معیاروں پر پرکھ لیتے۔ تو یہ تمام دعاوی خود بخود ثابت ہو جاتے۔ یہ بھی کوئی بحث کا طریق ہے کہ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تمام دعاوی اور صفاتی اسماء کو شمار کرنا شروع کر دیا۔ کون نہیں جانتا کہ آپ نے ابن مریم۔ مسیح موعود۔ نبی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بروز اور ظل کامل ہونے کے دعاوی کئے ہیں۔ اصل مسئلہ جس پر بحث ہونی چاہیئے وہ یہ ہے کہ آیا آپ ان دعاوی کے مصداق ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ اس کا صحیح طریق یہ تھا کہ آپ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی حیات و ممات کے مسئلہ پر بحث کرتے۔ اگر یہ ثابت ہو جاتا کہ حضرت مسیح بجسدہٖ العنصری زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں۔ تو حضرت مسیح موعودؑ کے تمام دعاوی خود بخود باطل ہو جاتے کیونکہ جس تخت کے وارث ہونے کا آپ کو دعویٰ ہے اگر اُس کا مالک ابھی زندہ ہو۔ تو اسکی موجودگی میں اور کسی کا دعویٰ قابل اعتنا نہیں ہو سکتا لیکن اگر حضرت مسیح ناصری علیہ السلام فوت شدہ ثابت ہوں اور حضرت مرزا صاحب علیہ السلام میں تمام وہ علامات پائی جائیں جو مسیح موعودؑ کے متعلق احادیث میں بیان ہوئی ہیں۔ تو آپ کے سچے ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اور اس صورت میں آپ کے تمام دعاوی بھی سچے ہونگے مگر سید صاحب نے اس طبعی ترتیب سے بحث کرنے کو فضول قرار دیکر ٹال دیا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی کو گنوانا شروع کر دیا۔ یہ طریق بحث ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک آریہ یا عیسائی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کو اصول اور معیار کے مطابق پرکھنے کی بجائے حضور کے ایک ہزار صفاتی اسماء پر بحث کرتے ہوئے انہیں (نعوذ باللہ) ”پریشان کن“ قرار دے دے۔

سید حبیب صاحب کی چوتھی دلیل کی حقیقت

جناب سید حبیب صاحب نے اپنے مضمون کی قسط ششم میں پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خدا اور فرزند خدا ہونے کے دعاوی پر بحث کی ہے آپ لکھتے ہیں:۔

”خدا اور فرزند خدا ہونے کے متعلق آپ کے دعاوی ایسے ہیں کہ ان کے خلاف اگر

تفصیلی بحث کی جائے تو برسوں یہ سلسلہ جاری رہ سکتا ہے اس لئے کہ توحید باریتعالےٰ اسلام کا اصل الاصول ہے۔ اور قرآن پاک تولید و ولادت عزّ اسمہٗ کے خلاف دلایل سے بھرا پڑا ہے۔"

میں بتلا چکا ہوں کہ سید صاحب نے حضرت اقدس علیہ السلام کی جن تحریرات اور الہامات پر بنیاد رکھ کر ان الزامات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حضورؑ نے خدا یا فرزند خدا ہونے کا دعوےٰ کیا ہے صحیح نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بالفاظ سید صاحب "مرزا صاحب کے عقیدت مند عوام کو مرزا صاحب کے ان دعاوی سے آگاہ نہیں کرتے"۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نہ یہ دعاوی تھے اور نہ ہی آپ نے اپنے متبعین کو یہ تعلیم دی۔

خودساختہ تاویل پر جرح

سید صاحب ہماری طرف سے اُن دعاوی کی خود ہی ایک تاویل پیش کر کے اس پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"برادرانِ قادیان کہیں گے۔ اور اس کے سوا اور وہ کہہ بھی کیا سکتے ہیں۔ کہ یہ باتیں راز و نیاز کی ہیں جو شخص فنا فی اللہ ہو چکا۔ وہ خود کو فرزند خدا سمجھنے لگے۔ تو کیا۔ لیکن یہ شریعت نہیں..... قرآن کریم کی تعلیم کی رو سے ایسا دعوےٰ خارج از اسلام ہے...... آریوں اور یوں عیسائیوں سے بھی پوچھ لیجئے۔ وہ کہیں گے "ابتدا میں کلام تھا۔ کلام خدا کے ساتھ تھا۔ کلام خدا تھا" ایک پاکیزہ تثلیث ہے جس میں تولید و ولادت کی آلائش کا ذکر نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ اسی کلام کو کلمہ کہہ کر وہ مسیح کا نام دیتے ہیں۔ اور مسیح کو خدا کا فرزند مانتے ہیں۔ اور یوں محولہ بالا اصل یا باپ۔ بیٹا۔ اور روح القدس کی تثلیث میں تبدیل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو نہایت وضاحت سے یہ حکم دیا ہے کہ وہ ہرگز یہ نہ کہیں کہ "خدا تین میں سے ایک ہے" اور قل شریف میں لم یلد ولم یولد کا کلیہ بیان کرنا ایسے عقائد باطلہ کی ترویج کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کلیتہً بند کر دیا ہے...... اسلام کے اس عقیدہ نے مسیحیت پر فتح پائی۔ مگر مرزا صاحب پھر مسیحی عقیدہ کی طرف لوٹ گئے۔ جو ازبس اندوہناک ہے۔ کہا جائے گا کہ مرزا صاحب کو خدا کے فرزند ہونے کا جو دعویٰ ہے۔ وہ معنوی ہے نہ کہ

جسمانی۔ بالفرض اس توضیح کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی یہ ماننا پڑے گا کہ عیسائی بھی یہ نہیں کہتے کہ خدانخواستہ حضرت مریم اور خداوند تعالےٰ میں جسمانی لحاظ سے زن و شوہر کے تعلقات تھے جس سے حضرت مسیح پیدا ہوئے اور اگر عیسائیوں کے اس دعوے کو خداوند اسلام نے گوارا نہیں کیا۔ کہ معنوی لحاظ سے عیسیٰ خدا کے بیٹے تھے۔ تو مرزا صاحب کے معاملہ میں کیوں اس کلیہ سے ایک استثنا کو جائز رکھا جائے۔"

سید صاحب نے مندرجہ بالا تحریر میں مسیحی عقیدہ تثلیث اور اسلامی مسئلہ توحید کی جو تشریح کی ہے۔ وہ آپ کی دونوں مذاہب کے عقائد سے ناواقفیت کا آئینہ ہے مگر باوجود اس کے سید صاحب کو اپنے مضامین کے تحقیقی ہونے پر از حد فخر ہے۔ اور آپ کے "قارئین کرام" اور "احباب" بھی اسی غلط فہمی کا شکار ہیں۔؟

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملّا کارِ طفلاں تمام خواہد شد

استعارۃً ابن اللہ کہنے اور عیسائیوں کے عقیدہ ابن اللہ میں فرق

سید صاحب کا یہ ارشاد کہ قرآن مجید اور اسلام کی رُو سے مقربانِ بارگاہِ ایزدی کو استعارۃً فرزندانِ خدا کہنا ناجائز ہے صحیح نہیں۔ میں دلائل سے ثابت کر چکا ہوں کہ صحائف آسمانی میں انبیاء اور اولیاء اللہ کو فرزندانِ خدا بمعنی محبوبانِ خدا کہا گیا ہے۔ اور مسیحی عقیدہ تثلیث اس سے بالکل جُدا ہے۔ عیسائی حضرات ہرگز حضرت مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ مجازاً یعنے محبوب خدا کے معنوں میں نہیں مانتے۔ بلکہ وہ ان کو حقیقتہً ابن اللہ کہتے ہیں کیونکہ اگر وہ انہی معنوں سے حضرت مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ کہیں تو دیگر انبیاء اور حضرت مسیح علیہ السلام میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ اور اہل اسلام کے ساتھ تو ان کے جھگڑے کی بنیاد ہی یہی ہے کہ وہ بائیبل کے محاورہ ابن اللہ کو دوسرے انبیاء علیہم السلام کے حق میں مجازی یعنے محبوب خدا کے معنوں میں لیتے ہیں۔ مگر حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے اس محاورہ کو حقیقی معنوں میں لیتے ہیں اگر وہ اس امتیاز کو چھوڑ دیں۔ تو ان کے ساتھ ہمارا کوئی جھگڑا باقی نہیں رہ جاتا۔ چنانچہ اس تحریری مباحثہ کے دوران میں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور عبداللہ آتھم کے مابین ماہ مئی ۱۸۹۳ء میں مسئلہ اُلوہیت مسیح پر بمقام امرتسر ہوا اور جو "جنگ مقدس" کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے اُلوہیت مسیح کے متعلق سوال کرتے ہوئے رقم فرمایا۔

"اگر بائبل کے وہ تمام انبیاء اور صلحاء جنکی نسبت بائبل میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ وہ خدا تعالےٰ کے بیٹے تھے۔ یا خدا تھے حقیقی معنوں پر حمل کرلئے جائیں۔ تو بیشک اس صورت میں ہمیں اقرار کرنا پڑے گا۔ کہ خدا تعالےٰ کی عادت ہے کہ وہ بیٹے بھی بھیجا کرتا ہے۔ بلکہ بیٹے کیا کبھی کبھی بیٹیاں بھی۔ اور بظاہر یہ دلیل تو عمدہ ہوتی ہے۔ اگر حضرات عیسائی صاحبان اس کو پسند فرمائیں اور کوئی اس کو توڑ بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ حقیقی غیر حقیقی کا تو وہاں کوئی ذکر ہی نہیں۔ بلکہ بعض کو تو پلوٹھا ہی لکھ دیا۔ ہاں اس صورت میں بیٹیوں کی میزان بہت بڑھ جائے گی" (جنگ مقدس ص۹)

عیسائیوں کے عقیدہ ابن اللہ کی تشریح

اس کا پادری آتھم صاحب نے جواب دیتے ہوئے لکھا "لفظ بیٹے اور پلوٹھے کا بائبل میں دو طرح پر بیان ہوا یعنی ایک تو یہ کہ وہ یک تن ساتھ خدا کے ہو۔ دوم یہ کہ یک من ساتھ رضاء الٰہی کے ہو۔ یک تن وہ ہے۔ جو ماہیت میں واحد ہو۔ اور یک من وہ ہے جو ماہیت کا شریک ہو کس نبی کے بارہ میں بائبل میں یہ لکھا ہے کہ اے تلوار میرے چرواہے۔ اور ہمتا پر اٹھ (ذکریا ۱۳-۷) اور پھر کس کے بارے میں ایسا لکھا ہے۔ کہ تخت داؤدی پر یہوواصدقنو آوے گا (یرمیاہ) اور کس نے یہ کہا۔ کہ میں الفا اور رامیگا قادر مطلق خداوند ہوں اور کس کے بارہ میں یہ لکھا گیا۔ کہ میں جو حکمت ہوں۔ قدیم سے خدا کے ساتھ رہتی تھی۔ اور میرے وسیلہ سے یہ ساری خلقت ہوئی۔ اور یہ کہ جو کچھ خلقت کا ظہور ہے۔ اسی کے وسیلہ سے ہے۔ خدا باپ کو کسی نے نہیں دیکھا۔ لیکن اکلوتے (خدا) نے اسے ظاہر کردیا۔ (یوحنا ۱-۸) اب اس پر انصاف کیجئے۔ کہ یہ الفاظ متعلق یک تن کے ہیں۔ یا یک من کے"

(جنگ مقدس ص۱۱-۱۲)

گویا عیسائیوں کے نزدیک دیگر انبیاء کے متعلق ابن اللہ کا لفظ یک من کے معنوں میں آیا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ اپنے ارادوں کو کلیتہً خدا کے ارادہ کے ماتحت کردیتے ہیں۔ مگر حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے یہ لفظ یک تن کے معنوں میں آیا ہے۔ یعنی یہ کہ خدا کی ماہیت اور مسیح کی ماہیت ایک ہی ہے۔ ماہیت کے ایک ہونے سے مراد یہ ہے کہ برخلاف دیگر اشیاء کے جو ارادہ الٰہی سے صادر ہوتی ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام خود ذات باریتعالےٰ سے صادر ہوئے

اقانیم کی تقسیم سے بھی یہی مراد ہے۔ چنانچہ پادری عبدالحق صاحب اپنے رسالہ اثبات التثلیث فی التوحید ص۱۷ میں لکھتے ہیں۔

"اقنوم اول اس لئے باپ ہے۔ کہ اقنوم ثانی یعنے کلام اس سے صادر ہوا۔ اسی لئے اقنوم ثانی مولود اور اکلوتا بیٹا کہلاتا ہے اور اقنوم ثالث باپ اور بیٹے کی روح"

پھر اسی کتاب کے ص۲۷ میں لکھتے ہیں:-

"اقنوم اول مصدر ہونے کی وجہ سے باپ ہے۔ اقنوم ثانی اس سے صدور کی وجہ سے بیٹا ہے۔ لیکن یہ صدور ازلی اور بطون ذات میں ہے"

پادری ٹامس ہاول صاحب ایم اے اپنی کتاب تشریح التثلیث ص۵۰ میں لکھتے ہیں:

"تیسرا امر اُلوہیت کے اقنوم ثانی کی نسبت جسے خدا کا بیٹا کہتے ہیں یہ ہے کہ جیسے کتب مقدسہ کے مضامین سے باپ بیٹے کا ایک ذات ہونا ثابت ہوتا ہے ویسے ہی یہ بھی پایا جاتا ہے کہ بیٹے کا تولد باپ سے خاص طور کا ہے۔ ۔ ۔ ۔ وہ ایسا متولد ہے کہ باپ کی ذات سے اسے اتحاد کلی ہے۔ یعنی باپ اور بیٹا دونوں ایسے متحد الذات ہیں۔ کہ ایک کو دوسرے کے بغیر ہم تصور نہیں کرسکتے نہ یہ بات۔ کہ ان میں ایک کسی وقت میں موجود ہوا۔ اور دوسرا اس وقت نہ ہوا۔ وہ ازلی ابدی متولد ہے نہ بالفعل باپ سے جدا ہے نہ کسی زمانہ ماضی میں جدا ہو سکتا تھا۔ جیسے درخت کی شاخ کا وجود جڑ سے ہے۔ اور وہ اُس سے جڑی ہوئی ہوتی ہے۔ یا جیسے نہر کسی چشمہ یا دریا سے نکلتی ہے اور اسی پر اُس کا وجود ہوتا ہے۔ پھر بھی اس سے جدا نہیں ہوتی ہے ایسے ہی اقنوم ثانی ابد سے خدا سے ہے۔ اور اس سے جدا کبھی نہیں ہوا نہر کا چشمہ سے جاری رہنا لامحالہ چشمے پر موقوف ہے۔ ایسا ہی حال روشنی کی شعاعوں کا سورج سے ہے۔ سورج کا تصور ہم نہیں کرسکتے۔ اگر اسکی روشنی ہم تک نہیں پہنچتی۔ جیسے روشنی کا وجود سورج کی ذات سے ہے۔ ایسے ہی مسیح کا وجود باعتبار ابن اللہ ہونے کے قدیم سے ہے۔ یا بہ محاورہ دیگر یہ کہنا چاہیئے کہ مسیح چونکہ ابن اللہ ہے۔ اُلوہیت میں ہمیشہ سے موجود ہے۔ کیونکہ اُلوہیت میں تین رشتے یا تین شخصیتیں ہمیشہ سے ہیں" +

پھر اسی کتاب کے ص۵۸ میں لکھتے ہیں :-

"ہم ہرگز یہ تصور نہیں کرسکتے۔ کہ وحدت الٰہی مستلزم تعداد اور کثرت کو ہے۔ بلکہ یہ وحدت بیٹے اور باپ کی ایسی ہے۔ کہ ماہیت کے اعتبار سے کبھی اس میں انفصال

نہیں ہوا۔ اور نہ ممکن ہے۔"

نیز صفحہ ۵۹ میں لکھتے ہیں:۔

"خدا کے بیٹے کا لفظ ضرور مستلزم اس امر کو ہے کہ وہ متولد ہے۔ بلکہ یہ کہنا بہتر ہے کہ وہ ہمیشہ متولد ہے۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسی نور کی شعاعیں کہ ہمیشہ اپنے مرکز سورج سے نکلتی رہتی ہیں بیٹے کا وجود ہمیشہ سے خدا باپ کی ماہیت میں ہے۔"

پہلا فرق

مذکورہ بالا حوالجات سے ظاہر ہے کہ مسیحی عقیدہ تثلیث کی رُو سے حضرت مسیح علیہ السلام کے فرزندِ خدا ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ خدا کے ساتھ متحد فی الذات والماہیت ہیں۔ لیکن دوسرے انبیاء کے حق میں اس اصطلاح کے استعمال سے مراد یہ ہے کہ وہ خدا کے محبوب ہیں۔ اور یہ پہلا اصولی فرق ہے۔

دوسرا فرق

دوسرا فرق یہ ہے کہ مسیحی عقیدہ تثلیث کی رو سے یہ ضروری ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو ان صفات میں جو لازمۂ اُلوہیت ہیں۔ خدا کا شریک یقین کیا جائے۔ مثلاً ازلی ہونا (جیسا کہ یوحنا باب اوّل کی آیت "ابتدا میں کلام تھا۔ کلام خدا کے ساتھ تھا۔ کلام خدا تھا۔" سے عیسائی حضرات یہ استدلال کرتے ہیں) قادرِ مطلق ہونا۔ خالق ہونا۔ حاضر و ناظر ہونا۔ مالک ہونا۔ مختار ہونا۔ معبود ہونا۔ غفور ہونا۔ عالمِ کُل ہونا وغیرہ۔ (جنگ مقدس صفحہ ۴۲ تا ۴۵ و دعائے عمیم صفحہ ۲۴ تا ۲۶)

پس یہ بیشک درست ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو عیسائی حضرات ان معنوں میں خدا کا بیٹا نہیں مانتے کہ نعوذ باللہ حضرت مریمؑ اور خدا میں جسمانی لحاظ سے زن و شوہر کے تعلقات تھے بلکہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی معنوی ابنیت مراد لیتے ہیں اور اسی طرح ہم بھی انبیاء اور اولیاء اللہ کی معنوی ابنیت کے قایل ہیں مگر ہمارے نزدیک اُس کے معنے محبوبِ خدا کے ہیں اور عیسائی حضرات کے نزدیک اس کے معنے یہ ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدا تعالیٰ کی ماہیت اور ذات میں متحد اور صفات میں شریک ہیں اور ظاہر ہے کہ ان دونوں عقیدوں میں بعد المشرقین ہے اور قرآن مجید میں جو یہ فرمایا کہ "یہ مت کہو کہ خدا تین میں سے ایک ہے" اس میں صرف مذکورہ بالا عقیدہ اقانیم کی تردید کی گئی ہے نہ کہ انبیاء اور اولیاء اللہ کو محبوبانِ خدا کے معنوں میں اطفال اللہ کہنے کی۔

اس تفصیل کو پڑھ کر امید ہے کہ سید صاحب اس بیّن فرق کو محسوس کر لینگے جو ان دونوں

عقائد میں ہے۔

ابن اللہ کے متعلق ایک اور غلط استدلال

اس کے بعد سید صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقیقی طور پر ابن اللہ یعنی خدا کے نطفہ سے پیدا ہونیکا دعویٰ کیا ہے۔ چنانچہ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات میں ولادت حقیقی کا پہلا مرحلہ یعنے حیض ثابت کرنے کے لئے تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۳ کا مندرجہ ذیل حوالہ نقل کیا ہے:۔

"(۱) بابو الٰہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے۔ یا کسی پلیدی اور ناپاکی پر اطلاع پائے مگر خدا تعالےٰ تجھے اپنے انعامات دکھلائے گا جو متواتر ہونگے۔ اور تجھ میں حیض نہیں بلکہ وہ بچہ ہو گیا ہے جو بمنزلہ اطفال اللہ کے ہے۔"

سید صاحب کا یہ استدلال اپنی شان میں بالکل نرالا ہے کیونکہ آپ اس حوالہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حیض ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اس جگہ نفی کی گئی ہے۔

یہ عبارت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک عربی الہام یریدون ان یروا طمثک الخ کا ترجمہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا ایک معاند آپ کے نقائص اور عیوب کی تلاش میں ہے مگر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ میں تجھ پر اپنے انعامات کثیرہ کی بارش نازل کرونگا اور تجھ میں حیض اور ناپاکی نہیں۔ بلکہ وہ بچہ ہو گیا ہے۔ جو بمنزلہ اطفال اللہ ہے۔ اس سے آگے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اس کی جو تشریح بیان فرمائی ہے اس سے سید صاحب کے استدلال کا تمام تار و پود بکھر جاتا ہے۔ سید صاحب نے چونکہ یہ حوالہ اصل کتاب میں نہیں دیکھا۔ بلکہ "عشرہ کاملہ" سے نقل کیا ہے۔ اس لئے آپ اس سے اگلی عبارت پر جس سے اس کا مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ غور نہیں فرما سکے۔

الہام کی تشریح

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"یعنی حیض ایک ناپاک چیز ہے۔ مگر بچہ کا جسم اسی سے تیار ہوتا ہے۔ اسی طرح جب انسان خدا کا ہو جاتا ہے۔ تو جس قدر فطرتی ناپاکی اور گند ہوتا ہے جو انسان کی فطرت کو لگا ہوا ہوتا ہے اسی سے ایک روحانی جسم تیار ہوتا ہے۔ یہی طمث انسانی ترقیات کا نتیجہ ہے۔ اسی بنا پر صوفیا کا قول ہے۔ اگر گناہ نہ ہوتا تو انسان کوئی ترقی

نہ کرتا۔ آدم کی ترقیات کا بھی یہی موجب ہُوا۔ اسی وجہ سے ہر ایک نبی مخفی کمزوریوں پر نظر کر کے استغفار میں مشغول رہا ہے اور وہی خوف ترقیات کا موجب ہوتا رہا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ ط پس ہر ایک ابن آدم اپنے اندر ایک حیض کی ناپاکی رکھتا ہے مگر وہ جو سچے دل سے خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔ وہی حیض اس کا ایک پاک لڑکے کا جسم تیار کر دیتا ہے۔ اسی بناء پر خدا میں فانی ہونیوالے اطفال اللہ کہلاتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہ وہ خدا کے درحقیقت بیٹے ہیں" (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۱۴۳ و ص۱۴۴)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس تشریح سے ظاہر ہے کہ اس الہام میں مراتب سلوک کے ایک اعلیٰ مرتبہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اگر آپ نے اس عبارت میں یہ تحریر فرمایا ہوتا کہ مجھے حیض آتا ہے تب بھی کوئی عقلمند سیاق و سباقِ کلام پر نظر کرتے ہوئے اسے حقیقت پر محمول نہ کرتا۔ کیونکہ صاف ظاہر ہے۔ کہ اس میں تصوف کا ایک رُوحانی مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ اور حقیقی حیض کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اور یہاں تو اسکے بالکل برعکس حضورؑ کا الہام یہ ہے کہ دشمن اس تلاش میں ہے کہ تجھ میں حیض یعنے ناپاکی اور گند دیکھے لیکن "تجھ میں حیض نہیں" گویا آپ کی ذات سے حیض کی نفی کی گئی ہے مگر سید صاحب ہیں کہ "عشرہ کاملہ" کے مصنف کی تقلید میں اسے ولادت حقیقی کا پہلا مرتبہ قرار دیکر اپنی سخن فہمی کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔

پہلے مفسرین کے حوالے

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس الہام کے متعلق جو بات بیان فرمائی ہے۔ وہی پہلے اولیاءِ امت بھی لکھتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ تفسیر روح البیان جلد ا ص۲۳۶ میں لکھا ہے:-

"کما ان للنساء محیضاً فی الظاہر وھو سبب نقصان ایمانھن لمنعھن عن الصلوٰۃ والصوم فکذٰلک للرجال محیض فی الباطن وھو سبب نقصان ایمانھم لمنعھم عن حقیقۃ الصلوٰۃ"

یعنے جس طرح عورتوں کے لئے ظاہری حیض ہوتا ہے اور وہ انکے ایمان میں کمی کا موجب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان کو نماز اور روزہ سے روک دیتا ہے۔ اسی طرح مردوں کو بھی ایک باطنی حیض آتا ہے۔ جو ان کے ایمان کی کمی کا باعث ہوتا ہے کیونکہ وہ انکو حقیقت نماز سے روک دیتا ہے۔

اسی طرح شیخ فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں:-

"جیسے عورتوں کو حیض آتا ہے۔ ایسا ہی ارادت کے راستہ میں مریدوں کو حیض آتا ہے۔ تو وہ گفتار سے آتا ہے اور کوئی مرید ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اس حیض میں پڑا رہتا ہے اور کبھی اس سے پاک نہیں ہوتا۔ اور ایسا آدمی بھی ہوتا ہے کہ اس کو حیض نہیں آتا ہمیشہ پاکی میں رہتا ہے" (تذکرۃ الاولیاء ذکر ابوبکر واسطی)

مغالطہ دہی

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات میں ولادت حقیقی کا دوسرا مرحلہ ثابت کرنے کے لئے سید صاحب نے حضور علیہ السلام کے الہام انت من ماءنا وھم من فشل کو پیش کر کے لکھا ہے:-

"اے مرزا تو ہمارے پانی سے ہے اور دوسرے لوگ خشکی سے ہیں۔ (ملاحظہ ہو اربعین نمبر ۳ ص۳۴) قرآن پاک میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ہر ایک چیز کو پانی سے پیدا کیا ہے۔ لہذا یہ کہنا۔ کہ باقی لوگ خشکی سے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ البتہ اگر یہاں "ماء" کے معنی نطفہ کر لئے جائیں۔ جو لغواً صحیح ہیں۔ تو بات بدل جاتی ہے اور ماء سے مراد نطفہ لینا خارج از جواز نہیں۔ اس لئے کہ مرزا صاحب کے مرید خاص قاضی یار محمد صاحب نے اپنے ٹریکٹ موسوم بہ اسلامی قربانی میں ایک فقرہ لکھا ہے۔ جس میں خدا تعالےٰ کی (معاذ اللہ) قوت رجولیت کا ذکر بھی موجود ہے۔"

سید صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کے عربی الہام کا اردو ترجمہ کرتے ہوئے اربعین کا حوالہ دیا ہے۔ اس طرح اس مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ کہ گویا یہ ترجمہ اربعین میں موجود ہے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اربعین میں وہ ترجمہ نہیں کیا جو سید صاحب نے درج کیا ہے۔ ہاں میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ اس مغالطہ دہی کا ارتکاب سید صاحب سے عمداً نہیں ہُوا۔ بلکہ اسکی وجہ "عشرہ کاملہ" کی نقل ہے۔ وہاں چونکہ یہی ترجمہ کر کے اربعین کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس لئے سید صاحب نے بھی کمال سادگی سے اسے ہی نقل کر دیا۔

باطل استدلال

کیا سید صاحب بتا سکتے ہیں کہ فشل کے معنی کسی لغت کی کتاب میں خشکی لکھے ہیں۔ آپ نے ماء سے نطفہ مراد لینے کی وجہ بھی یہی قرار دی ہے کہ اگر ماء کے معنے پانی لئے جائیں۔ تو دوسرے لوگوں کو فشل یعنی خشکی سے پیدا

کرنے کے معنے سمجھ میں نہیں آتے۔ کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ ہمنے ہر چیز کو پانی سے زندہ کیا ہے البتہ اگر ماء کے معنے نطفہ کرلئے جائیں۔ تو یہ مشکل درپیش نہیں رہتی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ نے ماء سے پانی کی بجائے نطفہ مراد لینے کی جو وجہ اور بنیاد بیان کی ہے۔ وہ بھی سراسر غلط ہے۔ کیونکہ فشل کے معنے کسی لغت میں خشکی نہیں لکھے لہذا آپ کا سارا استدلال باطل ہو گیا۔

پھر اس کے باطل ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ آپ نے ماء سے پانی مراد لینے پر جو استحالہ وارد کیا ہے۔ وہ اس سے نطفہ مراد لینے کی صورت میں بھی ایک دوسری شکل میں قائم رہتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اگر ماء سے مراد نطفہ لیا جائے تو فشل کے کیا معنی ہونگے۔ بقول آپ کے اگر اس کے معنے خشکی کئے جائیں تو آپ ہی کے الفاظ میں اعتراض یہ ہوگا۔ کہ قرآن مجید میں تو خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا۔ لہذا یہ کہنا۔ کہ باقی لوگ خشکی سے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔

اصل حقیقت

پس حقیقت یہ ہے کہ الہام میں مآء سے مراد نہ نطفہ ہے اور نہ فشل سے مراد خشکی۔ اس الہام کی تشریح میں قاضی یار محمد صاحب کی تحریر پر تمسک کرنا بھی سید صاحب ایسے ہی محقق کو زیب دیتا ہے اگر سید صاحب کو حقیقت کی جستجو ہوتی۔ تو آپ قاضی یار محمد صاحب کی تشریح کی بجائے حضرت مسیح موعودؑ کی بیان فرمودہ مندرجہ ذیل تشریح کو پڑھتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ جو فرمایا۔ کہ تو ہمارے پانی سے ہے۔ اور وہ لوگ فشل سے۔ اس جگہ پانی سے مراد ایمان کا پانی۔ استقامت کا پانی۔ تقویٰ کا پانی۔ وفا کا پانی۔ حب اللہ کا پانی جو خدا سے ملتا ہے۔ اور فشل بزدلی کو کہتے ہیں جو شیطان سے آتی ہے۔ اور ہر ایک بے ایمانی اور بدکاری کی جڑ بزدلی اور نامردی ہے۔" (انجام آتھم صفحہ ۵۶۔ حاشیہ)

سید صاحب فرمائیں کیا اب بھی ان کے نزدیک ماء سے پانی کی بجائے نطفہ مراد لینے کی طرف عدول کرنے کی کوئی وجہ ہے؟

کسی کا کسی چیز سے پیدا ہونیکا محاورہ

دراصل عربی زبان میں کسی چیز کا کسی چیز سے پیدا ہونے کا محاورہ حقیقی معنوں کے علاوہ

مجازاً بطور مبالغہ بھی استعمال ہوتا ہے جیسا قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے خُلِقَ الانسان من عجل (انبیاء ع ۳) یعنے انسان جلد بازی سے پیدا ہوا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان جلد باز ہے۔ چنانچہ مفردات راغب میں لفظ "عجل" کی بحث میں لکھا ہے ان ذالك احد الاخلاق التی رکب علیہا یعنے آیت خلق الانسان من عجل سے مراد یہ ہے کہ جلد بازی انسان کے طبعی اخلاق میں سے ہے۔ اسی طرح قاموس میں لکھا ہے وَفِی التَّهْذِیبِ قَالَ الْفَرَّآءُ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ وَعَلٰی عَجَلٍ کَاَنَّكَ قُلْتَ رُكِّبَ عَلَی الْعَجَلَةِ وَبِنْیَتُهٗ عَلَی الْعَجَلَةِ وَخِلْقَتُهُ الْعَجَلَةُ وَعَلَی الْعَجَلَةِ ۔۔۔۔ ۔۔۔ وَالْعَرَبُ تَقُوْلُ لِلَّذِیْ یُكْثِرُ الشَّیْءَ خُلِقْتَ مِنْهُ کَمَا تَقُوْلُ خُلِقْتَ مِنْ لَعَبٍ اِذَا بُوْلِغَ فِیْ صِفَتِهٖ بِاللَّعِبِ ۔۔۔۔۔۔ قَالَ ابْنُ جِنِّیِّ الْاَحْسَنُ اَنْ یَكُوْنَ تَقْدِیْرُهٗ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ لِكَثْرَةِ فِعْلِهٖ اِیَّاهُ وَاِعْتِیَادِهٖ لَهٗ یعنے تہذیب میں لکھا ہے۔ کہ فراء نے خُلِقَ الْاِنسان من عجل وعلی عجل کے معنی یہ کئے ہیں۔ کہ انسان کی پیدائش اور خلقت میں جلد بازی ہے۔ اور عرب لوگ اس شخص کو جو کسی چیز کو زیادہ کرتا ہے کہتے ہیں۔ کہ تو اس سے پیدا ہوا ہے جیسے کہا جاتا ہے تو کھیل سے پیدا ہوا ہے۔ جبکہ کسی شخص میں کھیل کے وصف کو بطور مبالغہ بیان کیا جائے اور ابن جنی کے نزدیک بھی خلق الانسان من عجل کا زیادہ اچھا مطلب یہ ہے۔ کہ انسان سے جلد بازی زیادہ ہوتی ہے اور اس فعل کا وہ عادی ہے۔

اسی طرح تفسیر جلالین تفسیر کبیر اور مجمع البحار جلد ۲ صفحہ ۳۵۱ میں بھی اس آیت کا یہی مطلب بیان کیا گیا ہے پس جس طرح خلق الانسان من عجل کے معنی یہ ہیں۔ کہ انسان نہایت جلد باز ہے اسی طرح ھم من فشل کے معنے یہ ہونگے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن نہایت بزدل اور ضعیف ہیں۔ اور اس کے مقابل پر انت من ماءنا کے معنے یہ ہونگے کہ آپ تشنگان صداقت کے لئے آب حیات کا حکم رکھتے ہیں۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں ؎

میں وہ پانی ہوں کہ اُترا آسماں سے وقت پر | میں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

لغت عرب اور لفظ ماء

لغت عرب میں ماء کے معنے صفائی۔ چمک اور نور کے بھی ہیں۔ چنانچہ ماء الوجہ کے معنی ہیں چہرے کی چمک اور صفائی

ان معنوں کے لحاظ سے انت من ماءنا۔ کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات کو خدا تعالیٰ نے اپنی ذات سے صیقل کیا تھا یعنی حضورؑ کو اپنی روشنی اور نور سے حصہ وافر عطا فرمایا۔

خدا کے پانی سے مراد الہام الٰہی

خدا کے پانی سے الہام الٰہی کی بارش بھی مراد ہوتی ہے قرآن مجید میں کئی مقامات پر آسمان سے ظاہری بارش کے نزول کو روحانی بارش یعنی الہام الٰہی کے نزول سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی فرماتے ہیں۔ ؎

ایک عالم مرگیا ہے تیرے پانی کے بغیر   پھیر دے اے میرے مولا اس طرف دریا کی دھار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم)

ان تمام تشریحات کے پیش نظر خدا کے پانی سے نطفہ مراد لینا ہرگز جائز نہیں ہو سکتا۔

ایک اور غلط استدلال

سید صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات میں خدا تعالیٰ سے ولادت حقیقی کا تیسرا مرحلہ ثابت کرنیکے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب کشتی نوح ص۴۷ سے مندرجہ ذیل عبارت پیش کی ہے "مریم کی طرح عیسےٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی۔ اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھیرایا گیا۔ اور کئی ماہ بعد جو دس ماہ سے زیادہ نہیں۔ بذریعہ الہام مجھے مریم سے عیسےٰ بنایا گیا۔۔۔ ۔۔۔ پھر مریم کو جو مراد اس عاجز سے ہے دردزہ تنہ کھجور کیطرف لے آئی" سید صاحب کا استدلال "مریم" "مجھے حاملہ ٹھیرایا گیا" اور "دردزہ" کے الفاظ سے ہے۔ لیکن اگر سید صاحب اس عبارت کو پڑھتے وقت ادنیٰ بصیرت سے کام لیتے تو "استعارہ کے رنگ میں" کے الفاظ سے بآسانی معلوم ہو جاتا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس جگہ ولادت حقیقی نہیں۔ بلکہ ولادت معنوی کا ذکر فرمایا ہے۔

ولادت ثانیہ یا ولادت معنویہ

ولادت ثانیہ یا ولادت معنویہ اہل تصوف کا ایک مشہور مسئلہ ہے جسکی حقیقت یہی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسجگہ بیان فرمائی ہے یعنی جب انسان دنیاوی زندگی کی لذات اور خواہشات سے کنارہ کشی اختیار کر کے پرہیزگاری اور تقویٰ کی راہوں پر گامزن ہوتا ہے اور خشیۃ اللہ کا لباس زیب تن کر لیتا ہے تو اسے ایک نئی زندگی حاصل ہوتی ہے اور اسوقت یہ کہنا بالکل صحیح ہوتا ہے کہ یہ ابھی پیدا ہوا ہے"

مگر اسکی پیدائش اور حمل حقیقی اور جسمانی نہیں بلکہ مجازی اور روحانی ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ جب کوئی شخص ایمان لاتا ہے۔ تو نبی کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اسکے باپ اور حضورؐ کی ازواج مطہرات اسکی مائیں بنجاتی ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّہَاتُہُمْ اس آیت میں گو استعارہ یا مجاز کے الفاظ موجود نہیں مگر چونکہ دوسرے مقامات میں فرمایا۔ وَمَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ، اور اِنْ اُمَّہَاتُہُمْ اِلَّا اللَّآئِیْ وَلَدْنَہُمْ یعنی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کسی مرد کے باپ نہیں اور کسی کی ماں وہی ہوتی ہے جس نے اسے جنا ہو۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ابوت سے ابوت روحانیہ اور حضورؐ کی ازواج کی امومت سے امومت روحانیہ مراد ہوگی۔ اور اس اعتبار سے مومنین کی ولادت بھی ولادت معنویہ یا روحانیہ مراد ہوگی۔

احادیث میں بھی ولادت روحانیہ کا مختلف مقامات پر ذکر ہوا ہے۔ مثلاً آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں مَنْ حَجَّ لِلّٰہِ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمِ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ (بخاری کتاب الحج) یعنی جو خدا کے لئے حج کرتا ہے اور اس میں رفث اور فسوق کا مرتکب نہیں ہوتا وہ ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا اس دن تھا جب اُسکی ماں نے اسے جنا۔ گویا حج کرنے سے اُسکی نئی ولادت ہوتی ہے۔ مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس سے ولادت حقیقی مراد ہے۔

اسی طرح امام الطائفہ الشیخ السہروردی فرماتے ہیں۔ یَصِیْرُ الْمُرِیْدُ جُزْءَ الشَّیْخِ کَمَا اَنَّ الْوَلَدَ جُزْءُ الْوَالِدِ فِی الْوِلَادَۃِ الطَّبِیْعِیَّۃِ وَتَصِیْرُ ہٰذِہِ الْوِلَادَۃُ آنِفًا وِلَادَۃً مَعْنَوِیَّۃً کَمَا وَرَدَ عَنْ عِیْسٰی صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْہِ لَنْ یَّلِجَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ مَنْ لَّمْ یُوْلَدْ مَرَّتَیْنِ الخ۔ یعنی مرید اپنے شیخ کا حصہ بنجاتا ہے جیسا کہ بیٹا ولادت طبعیہ میں باپ کا جزء ہوتا ہے اور مرید کی ولادت معنوی ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسےٰ سے وارد ہوا ہے کہ آسمانوں کی بادشاہتوں میں وہ شخص داخل نہ ہو گا۔ جو دو دفعہ پیدا نہیں ہوا۔ طبعی ولادت کے ساتھ انسان کو دنیا کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور ولادت معنوی کے ساتھ اُس کا تعلق عالم ملکوت سے ہو جاتا ہے انہی معنوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔ وَکَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرَاہِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الآیہ خالص اور کامل یقین اسی ولادت معنوی سے حاصل ہوتا ہے اور اس کے باعث ہی انسان وراثت انبیاء کا مستحق ہوتا ہے۔ اور جسے انبیاء کی میراث نہ ملے وہ گویا پیدا ہی نہیں ہوا۔ خواہ وہ انتہائی ہوشیار اور دانا ہی ہو۔ انتہی (عوارف المعارف جلد اول ص۴۵)

استعارہ مرشحہ

پس جب ولادت معنوی کا مسئلہ قرآن مجید۔ احادیث اور تصوف کی رو سے ثابت ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اسکی وجہ سے اعتراض کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ آپ نے ایک روحانی مقام کے لئے جب حسب اصطلاح تصوف ولادت کا لفظ بطور استعارہ استعمال فرمایا تو حضورؑ نے ولادت ہی کے مناسبات اور ملائمات کا ذکر فرمایا۔ اسے علم معانی کی اصطلاح میں استعارہ مرشحہ کہتے ہیں۔ چنانچہ مختصر المعانی صفحہ ۳۹ میں لکھا ہے۔ "هِيَ مَا قُرِنَ بِمَا يُلَائِمُ الْمُسْتَعَارَ مِنْهُ نَحْوُ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ اُسْتُعِيْرَ الْاِشْتِرَاءُ لِلْاِسْتِبْدَالِ وَالْاِخْتِيَارِ ثُمَّ فُرِّعَ عَلَيْهَا مَا يُلَائِمُ الْاِشْتِرَاءَ مِنَ الرِّبْحِ وَالتِّجَارَةِ" یعنی استعارہ مرشحہ وہ ہے جو مستعار منہ کے ملائمات سے مقرون ہو جیسے قرآن مجید میں فرمایا۔ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا۔ الآیہ یعنی وہی لوگ ہیں جنہوں نے خرید اگمراہی کو ہدایت کے عوض۔ پس انکی تجارت نے نفع نہ دیا۔ اس میں اشتراء (خریدنے) کا لفظ استبدال اور اختیار کے لئے بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے پھر بطور تفریع انہی چیزوں کا ذکر ہوا ہے جو اشتراء کے مناسب ہیں یعنی ربح اور تجارت۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی ایک روحانی حالت اور مقام کا ذکر کرتے ہوئے اس کے لئے ولادت کا لفظ بطور استعارہ فرما کر پھر بطور تفریع اسی کے مناسبات یعنی حمل اور دردِ زہ وغیرہ کا ذکر فرمایا لہٰذا ان الفاظ سے یہ استدلال کرنا کہ گویا حضورؑ کو جسمانی حمل اور دردِ زہ لاحق ہوا۔ فصاحت کلام کے اعلیٰ اسالیب سے ناواقفیت اور جہالت کا ثبوت پیش کرنا ہے جب قرآن مجید احادیث اور ہر کلام میں تمام اسالیب فصاحت کلام کا خیال رکھا جاتا ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام کے معنے کرنے میں اس اصل کو کیوں نظر انداز کر دیا جاتا ہے؟

مریم بننے کی حقیقت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مریم بننے کی حقیقت بھی یہی ہے مجھے تعجب آتا ہے کہ کس طرح حضرت مسیح موعودؑ کے مخالفین آپ پر اعتراض کرتے وقت قرآن مجید اور تمام مشہور مسائل تصوف کو پس پشت ڈال دیتے ہیں قرآن مجید سورہ تحریم میں آیت ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الآیہ میں ہر ایک مومن کو خدا تعالیٰ نے مریم قرار دیا ہے۔ اب اس کا سوائے اسکے اور کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ جس طرح حضرت مریمؑ نے نیکی اور پارسائی اختیار کی اور خدا تعالیٰ نے ان میں عیسیٰ کی روح پھونکی اور وہ پیدا

ہوئے۔ اسی طرح جو مومن حضرت مریمؑ کے مشابہ ہونگے۔ ان میں بھی عیسیٰ کی روح پھونکی جائیگی اور اُن سے عیسیٰ کی روحانی اور معنوی ولادت ہو گی۔ پس اگر حضرت مسیح موعودؑ کی مندرجہ بالا عبارت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ نے خدا تعالیٰ سے ولادت حقیقی کا دعویٰ کیا ہے۔ تو ہر ایک مومن کی خدا تعالیٰ سے ولادت حقیقی تسلیم کرنی پڑیگی۔

دردِ زہ کی حقیقت

دردِ زہ کی حقیقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

"مخاض" "دردِ زہ" سے اس جگہ وہ امور ہیں۔ جن سے خوفناک نتائج پیدا ہوتے ہیں .... بامحاورہ ترجمہ یہ ہے کہ درد انگیز دعوت جس کا نتیجہ قوم کا جانی دشمن ہو جانا تھا"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم)

نیز کشتی نوح صفحہ ۴۷ میں جہاں سے سید صاحب نے یہ حوالہ نقل کیا ہے۔ اس سے آگے فرماتے ہیں "یعنے عوام الناس اور جاہلوں اور بے سمجھ علماء سے واسطہ پڑا۔ جنکے پاس ایمان کا پھل نہ تھا۔ جنہوں نے تکفیر و توہین کی اور گالیاں دیں۔ اور ایک طوفان برپا کیا۔" گویا یہ لفظ مطلق تکلیف کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ پولوس رسول بھی انجیل میں اسی محاورہ کو استعمال کرتا ہوا کہتا ہے۔"

"اے میرے بچو۔ تمہاری طرف سے پھر مجھے جننے کے سے درد لگے ہیں۔" (گلتیوں ۴/۱۹)

سید صاحب سے ایک سوال

اس موقعہ پر میں سید صاحب کی توجہ ایک اور امر کیطرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایسی تحریرات کو جنمیں بالتصریح "استعارہ" وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو اُن کو حقیقت پر محمول کرنے سے مانع ہیں۔ آپ انہیں حقیقت پر محمول کر کے یہ اعتراض کر رہے ہیں کہ ان سے حضورؑ کی خدا سے ولادت حقیقی کا ادعا ظاہر ہوتا ہے۔ اگر اسی طرح ایک آریہ قرآن مجید کی ان آیات سے جنمیں صراحت سے حضرت مریمؑ کے متعلق خدا تعالیٰ کے یہ الفاظ موجود ہیں اَلَّتِيْ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا، یعنے ہم نے انکی شرمگاہ میں اپنی روح پھونکی جس سے حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے۔ یہ استدلال کرے کہ قرآن مجید کے رُو سے حضرت عیسیٰ کی خدا سے ولادت حقیقی ثابت ہوتی ہے۔ تو کیا اس کا یہ کہنا آپکے نزدیک درست ہو گا۔ اس حقیقت کی موجودگی میں کہ قرآن مجید میں حضرت مریمؑ کے حمل وغیرہ کی کیفیت کے ساتھ استعارہ یا مجاز وغیرہ کے

الفاظ نہیں پائے جاتے۔ آریہ کا یہ استدلال بظاہر آپکے استدلال سے زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہ اعتراض آپکے نزدیک صحیح نہیں۔ تو پھر یہ کہاں کی دیانتداری ہے کہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایسی عبارتوں کو جن میں صاف طور پر استعارہ وغیرہ کے الفاظ موجود ہیں حقیقت پر محمول کرنے پر مصر ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق "ماءنا" اور حضرت عیسیٰ کے متعلق "روحنا" کے الفاظ کا تقابل بھی قابل غور ہے۔

علاوہ ازیں اگر یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ قرآن میں حضرت عیسےٰؑ کی ولادت کے بیان میں تمام ایسے حالات۔ مراحل اور لوازم مذکور ہوئے ہیں۔ جنسے انکی خدا سے ولادت حقیقی کا استدلال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مذکورہ بالا عبارات سے ولادت حقیقی کے استدلال کی نسبت زیادہ مضبوط اور قوی ہو سکتا ہے۔ تو سید صاحب کے اس استدلال کی حقیقت اور بھی زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔

کاش حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اعتراض کرتے ہوئے اپنے مسلمات کو تو نظرانداز نہ کر دیا جاتا۔

زوائد اور تکرار

سید صاحب نے کہنے کو تو "تحریک قادیان" کے عنوان سے چالیس کے قریب اقساط لکھی ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اگر ان میں سے زوائد اور مکررات کو نکال دیا جائے۔ تو یہ تمام مضامین چند اقساط میں ختم ہو سکتے تھے۔ آپنے بزعم خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی اُلوہیت اور ابنیت پر قسط پنجم میں بھی بحث کی ہے۔ اسکے بعد قسط ششم میں بھی بالفاظ خود "مرزا صاحب کے فرزند خدا ہونیکے دعوٰی پر بحث کرتے ہوئے ابویت وابونیت کے فلسفہ پر روشنی ڈالی ہے" اور اپنے اخبار کے ناظرین کو اس نوایجاد فلسفہ "اُبویت اور ابونیت" سے آگاہ کر چکے ہیں۔ مگر آپ نے اسے بھی ناکافی سمجھتے ہوئے پھر قسط ہفتم میں "دلیل چہارم" اور "دلیل پنجم" کے ذیلی عنوانوں کے ماتحت انہی دعاوی کا ذکر چھیڑ دیا معلوم ہوتا ہے۔ انہیں ان مسائل پر بحث کے سلسلہ کو جاری رکھنے کیلئے عجیب و غریب حقائق سوجھتے رہے۔

نرالا استدلال

قسط ہفتم میں آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"تحریک قادیان" کے ناقابل قبول ہونے کے متعلق میری چوتھی دلیل یہ ہے۔ کہ مرزا صاحب نے فرزند خدا ہونیکا دعوٰی کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اسلام اس بات کی

اجازت نہیں دیتا کہ مخلوقِ خدا میں سے کسی کو بداہتًا۔ صراحتًا۔ کنایتًہ۔ اشارتًا۔ یا استعارۃً خدا کا بیٹا مانا جائے۔ اس معاملہ میں تو اللہ تعالےٰ کو یہ بھی گوارا نہیں کہ اسکے پیغمبر محترم کو بھی کوئی امت اپنا باپ کہے۔ بنائے یا سمجھے۔ اور جب کسی کا رسولِ خدا کو اپنا باپ سمجھنا بھی خدائے بزرگ و توانا کو گوارا نہیں۔ تو خود اللہ تعالےٰ کو باپ کہنے اور سمجھنے والے کے لئے اسلام کے وسیع حلقہ میں گنجایش داخلہ کہاں رہ جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔ "محمدؐ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ بلکہ وہ خدا کا بھیجا ہوا رسول اور خاتم النّبیّین ہے"

باطل اصول

سید صاحب کے اس نرالے استدلال سے مندرجہ ذیل دو اصول مستنبط ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے کسی چیز کا انتفاء ذات باری سے بھی اس کے انتفاء کو مستلزم ہے۔ دوئم یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں کسی چیز کا اثبات ذات باری میں بھی اسکے اثبات کو مستلزم ہے۔ مگر ان دونوں اصول کا باطل ہونا بدیہی ہے۔ پہلا اصل اس لئے باطل ہے۔ کہ اگر اسے صحیح سمجھ لیا جاوے۔ تو خدا تعالیٰ کو تمام ان صفات سے جو لازمۂ اُلوہیت ہیں (نعوذ باللہ) عاری ماننا پڑیگا۔ کیونکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وہ صفات نہیں پائی جاتی تھیں۔ مثلاً قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عالم الغیب ہونیکی نفی کی گئی ہے۔ لہٰذا سید صاحب کے اصل کی رو سے یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ خدا تعالےٰ بھی عالم الغیب نہیں۔ وقس علیٰ ھذا۔

دوسرا اصل اس لئے باطل ہے کہ اگر اسے صحیح سمجھ لیا جائے تو خدا تعالےٰ کی حیثیت محض بشر رسول کی رہ جاتی ہے جو کسی صورت میں بھی مسلم نہیں۔ خود اس آیت کو ہی لے لیجئے جس سے سید صاحب نے استدلال کیا ہے۔ اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابوت کی نفی کی گئی ہے۔ اور حضورؐ کے رسول اور خاتم النّبیّین ہونے کا اثبات کیا گیا ہے۔ اب اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابوت کی نفی سے یہ استدلال صحیح ہے کہ اس سے خدا تعالیٰ کی ابوت کی بھی نفی ہو جاتی ہے۔ تو حضورؐ کی ذات میں رسالت اور ختم نبوت کے اثبات سے یہ استدلال کیوں صحیح نہیں کہ اس سے خدا تعالےٰ کی رسالت اور ختم نبوت کا اثبات ہوتا ہے۔

رسُول کریم کی ابوت مجازی

علاوہ ازیں جیسا کہ میں بتلا چکا ہوں۔ قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابوت مجازی کو تسلیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمْ۔ اس آیت

پر امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ مفردات میں لفظ "اب" کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"اَلْاَبُ اَلْوَالِدُ وَیُسَمّٰی کُلُّ مَنْ کَانَ سَبَبًا فِیْ اِیْجَادِ شَیْءٍ اَوْ اِصْلَاحِہٖ اَوْ ظُھُوْرِہٖ اَبًا وَلِذٰلِکَ یُسَمَّی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اَبَا الْمُؤْمِنِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھَاتُھُمْ وَفِیْ بَعْضِ الْقِرَاآتِ وَھُوَ اَبٌ لَّھُمْ .... وَاِلٰی ھٰذَا اَشَارَ بِقَوْلِہٖ کُلُّ سَبَبٍ وَنَسَبٍ مُنْقَطِعٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِلَّا سَبَبِیْ وَنَسَبِیْ"

یعنی اب کے معنے والد کے ہیں۔ اور ہر وہ شخص جو کسی چیز کی ایجاد۔ اصلاح۔ یا ظہور کا سبب ہو۔ باپ کہلاتا ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنوں کے باپ ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ الآیہ اور بعض قراتوں میں وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھَاتُھُمْ کے بعد وَھُوَ اَبٌ لَّھُمْ بھی آیا ہے یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنوں کے باپ ہیں .... اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد میں بھی کہ قیامت کے روز میرے سبب اور نسب کے سوا باقی تمام اسباب اور انساب منقطع ہو جائینگے۔ اسی کیطرف اشارہ ہے۔ پھر لکھا ہے۔

"وَقَوْلُہٗ تَعَالٰی مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ الآیہ اِنَّمَا ھُوَ نَفْیُ الْوِلَادَۃِ وَتَنْبِیْہٌ اَنَّ الْمُتَبَنّٰی لَا یَجْرِیْ مَجْرَی الْبُنُوَّۃِ الْحَقِیْقِیَّۃِ"۔

یعنی قرآن مجید میں جو یہ فرمایا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی مرد کے باپ نہیں۔ اس میں جننے کی نفی ہے۔ اور اس بات پر تنبیہ ہے۔ کہ متبنٰی حقیقی بیٹے کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح "ابن" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں یَکُوْنُ کُلُّ نَبِیٍّ بِمَنْزِلَۃِ الْاَبِ لِاُمَّتِہٖ۔ یعنے ہر نبی اپنی اُمت کے لئے باپ کے رتبہ پر ہوتا ہے۔

پس قرآن مجید میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابوت کی اگر ایک جہت سے نفی کیگئی ہے تو دوسری جہت سے اس کا اثبات۔ اور سید صاحب کا استدلال اگر بالفرض درست بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی اس کا زیادہ سے زیادہ یہ مطلب ہوگا۔ کہ جس جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابوت کی نفی کی گئی ہے۔ اسی جہت سے خدا کی ابوت کی نفی مراد ہے اور وہ ابوت حقیقی ہے لیکن چونکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُمت کی مجازی ابوت کا رتبہ حاصل ہے۔ لہٰذا خدا تعالےٰ کی ذات میں بھی ابوت مجازی کا تسلیم کرنا جائز ہے۔ یہ سید صاحب

کے اپنے مسلمات کی رو سے ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابوت کی نفی کا خدا تعالےٰ کی ذات سے ابوت کی نفی کو مستلزم ہونا ہمیں مسلم نہیں۔

متعارض اقوال

سید صاحب کے مذکورہ بالا استدلال کے باطل ہونے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ ان کے بیان کردہ اصل کی رو سے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ خدا تعالےٰ چھوٹے لڑکوں اور عورتوں کا باپ ہو سکتا ہے اور اس صورت کو تسلیم کرنے سے کفار کا یہ قول کہ ملائکہ خدا تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں صحیح ماننا پڑے گا۔ کیونکہ جس آیت سے سید صاحب نے استنباط کیا ہے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صرف رجال (جوان مردوں) کے باپ ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ چھوٹے لڑکوں اور عورتوں کا باپ ہونے کی نفی نہیں کیگئی اور واقع بھی یہی ہے۔ کہ حضور جوان مردوں میں سے کسی کے باپ نہ تھے۔ ہاں چھوٹے لڑکوں اور عورتوں کے باپ تھے۔ لہٰذا سید صاحب کے بیان کردہ اصل کے مطابق یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ جوان مردوں کا باپ نہیں مگر یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ خدا تعالےٰ عورتوں اور چھوٹے لڑکوں کا باپ نہیں۔ بلکہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھوٹے لڑکوں اور عورتوں کے باپ تھے اسی طرح خدا تعالےٰ بھی چھوٹے لڑکوں اور عورتوں کا باپ ہو سکتا ہے۔ مگر سید صاحب دوسری طرف اس کے برخلاف یہ بھی کہہ رہے ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ کو کسی جہت سے بھی باپ نہیں کہا جا سکتا۔ جس سے آپ کے اپنے اقوال اور اصول میں صریح تعارض اور تضاد ثابت ہو رہا ہے۔

اولاد الٰہی

اسی ضمن میں سید صاحب کا یہ ارشاد بھی کہ "اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔ کہ مخلوق خدا میں سے کسی کو بداہتاً۔ صراحتاً۔ کنایتہً۔ اشارۃً یا استعارۃً خدا کا بیٹا مانا جائے"، صحیح نہیں۔ کیونکہ آیت فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَاءَکُمْ (بقرہ ع ۲۵) یعنے یاد کرو۔ اللہ تعالےٰ کو جیسے تم اپنے باپوں کا ذکر کرتے ہو۔ میں اشارۃ النص کے طور پر تمام مومنوں کو بمنزلہ اولاد الٰہی قرار دیا گیا ہے۔ نیز آیت قَالَتِ الْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ (مائدہ ع ۳) سے بھی یہ استدلال ہو سکتا ہے۔ کہ ابن اللہ کا لفظ بمعنی محبوب خدا بولا جا سکتا ہے +

امام فخر الدین رازی کی شہادت

مشہور مفسر قرآن امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں۔

"وَفِیْہِ سُؤَالٌ وَھُوَ اَنَّ الْیَھُوْدَ لَا یَقُوْلُوْنَ ذٰلِکَ

اَلْبَتَّةَ فَكَيْفَ يَجُوْزُ نَقْلُ هٰذَا الْقَوْلِ عَنْهُمْ اَمَّا النَّصَارٰى فَاِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ ذٰلِكَ فِيْ حَقِّ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا فِيْ حَقِّ اَنْفُسِهِمْ فَكَيْفَ يَجُوْزُ النَّقْلُ عَنْهُمْ - اَجَابَ الْمُفَسِّرُوْنَ عَنْهُ بِوُجُوْهٍ .... (اَلثَّانِيْ) اَنَّ لَفْظَ الْاِبْنِ كَمَا يُطْلَقُ عَلَى ابْنِ الصُّلْبِ فَقَدْ يُطْلَقُ اَيْضًا عَلٰى مَنْ يَّتَّخِذُ اِبْنًا وَ اتِّخَاذُهُ ابْنًا بِمَعْنٰى تَخْصِيْصِهِ بِمَزِيْدِ الشَّفْقَةِ وَالْمَحَبَّةِ فَالْقَوْمُ لَمَّا ادَّعَوْا اَنَّ عِنَايَةَ اللّٰهِ بِهِمْ اَشَدُّ وَ اَكْمَلُ مِنْ عِنَايَتِهِ بِكُلِّ مَنْ سِوَاهُمْ لَا جَرَمَ عَبَّرَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْ دَعْوَاهُمْ كَمَالَ عِنَايَةِ اللّٰهِ بِهِمْ اِدَّعَوْا اَنَّهُمْ اَبْنَآءُ اللّٰهِ" یعنے اس آیت پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ یہودی ہرگز اپنے آپ کو خدا کے بیٹے نہیں کہتے۔ پھر انکی طرف اس قول کو نقل کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ اسی طرح عیسائی بھی اپنے آپ کو خدا کے بیٹے نہیں کہتے بلکہ وہ حضرت عیسٰیؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں لہٰذا ان کیطرف سے بھی یہ کہنا درست نہیں ہو سکتا۔ مفسرین نے اس سوال کے بہت سے جواب دیئے ہیں . . . . دوسرا جواب یہ ہے کہ جس طرح ابن کا لفظ صلبی بیٹے پر بولا جاتا ہے اسی طرح یہ لفظ اس شخص پر بھی بولا جاتا ہے جسے محبت اور شفقت کے معنوں میں بطور تخصیص بیٹا کہا جائے۔ پس جب یہود و نصاریٰ نے یہ دعوےٰ کیا کہ خدا تعالےٰ کی محبت اور عنایات ان پر دوسروں کی نسبت زیادہ ہیں۔ تو اللہ تعالےٰ نے انکے اس دعوےٰ کو "ابناء اللہ" کے الفاظ سے تعبیر کیا۔

امام جلال الدین سیوطی کی شہادت

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے جلالین میں فرماتے ہیں۔ "کَاَبْنَاءِهٖ فِي الْقُرْبِ وَالْمَنْزِلَةِ وَهُوَ كَاٰبَآئِنَا فِي الشَّفْقَةِ وَالرَّحْمَةِ" یعنی یہ جو فرمایا۔ کہ یہود و نصاریٰ اپنے آپ کو خدا کے بیٹے کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ قرب اور درجہ میں وہ اپنے آپ کو خدا کے بیٹوں کی طرح قرار دیتے ہیں۔ اور خدا کو اپنے باپوں کی طرح شفقت اور محبت میں

پس یہ امر ثابت ہے کہ قرآن مجید میں خدا تعالےٰ نے محبوب کے معنوں میں "ابن اللہ" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

خدا کو استعارۃً باپ کہنا

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ فرما کر خدا تعالیٰ کو مخلوقات کا باپ قرار دیا ہے اسی لئے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی دفتر سوئم میں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے الفوز الکبیر ص۸ میں اور حضرت مولانا

محمد رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی نے ازالۃ الاوہام ص۵۲۰ میں خدا تعالےٰ کو باپ اور مقربین اولیاء اور انبیاء کو اس کے بیٹے کہا ہے۔ پس جب قرآن مجید اور احادیث کی رُو سے خدا کو استعارۃً باپ کہنا جائز ہے۔ اور بزرگان سلف جو سید صاحب سے یقیناً زیادہ قرآن مجید سمجھنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ اسپر عمل کرتے رہے ہیں تو نہ معلوم سید حبیب صاحب کون سے اسلام کی رُو سے اسے ناجائز ٹھیراتے ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اتنا بڑا دعوےٰ کر کے آپنے اس کا ثبوت کچھ نہیں دیا۔

سیّد حبیب صاحب کی پانچویں دلیل کی حقیقت

سید صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے (نعوذ باللہ) جھوٹے ہونیکی پانچویں دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

مرزا صاحب کے ان دعاوی پر نظر دوڑ لیئے۔ جن کو مَیں نے قسط پنجم میں جمع کر دیا ہے۔ ان میں ایک دعویٰ اُلوہیت کا بھی ہے۔ یعنی آپ کو خود خدا ہونے کا دعوےٰ ہے . . . . میری سمجھ کے مطابق قرآن پاک کی تعلیم ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ استعارہ و کنایہ کے طور پر بھی کسی مخلوق کو خالق تسلیم کیا جائے . . . . . . پس مرزا صاحب کے دعاوی کو تسلیم کرنے سے مجھے اس لئے بھی انکار ہے کہ ان کے دعاوی میں اُلوہیت کا دعویٰ موجود ہے"

گو مَیں اس موضوع پر اس سے پیشتر کافی بحث کر چکا ہوں اور اسے دوہرا کر ناظرین کے لئے ملول خاطر کا باعث نہیں بننا چاہتا لیکن چونکہ سید صاحب نے اپنے مضمون کے اس حصہ کو بار بار دہرا کر بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر مزید روشنی ڈالی جائے۔

کشف سے مراد

جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے۔ سید صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک کشف سے آپ کے متعلق دعوےٰ خدائی کا استدلال کر کے اسے قرآن مجید کی تعلیم کے خلاف قرار دیا ہے۔ مگر مَیں اپنے مضمون کی قسط چہارم میں اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے قرآن مجید کی بعض آیات درج کر چکا ہوں۔ جن میں صریح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل کو خدا کا فعل اور حضور کے اعضاء کو خدا تعالےٰ

کے اعضا قرار دیا گیا ہے۔ اور بخاری شریف کی اس حدیث قدسی کا بھی جس میں نوافل کے ذریعہ قربِ الٰہی کا حصول بیان ہوا ہے۔ یہی مضمون ہے۔ اب اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ دعاوی حقیقت پر مبنی نہیں اور نہ ہی حدیث قدسی کا یہ مطلب ہے کہ نوافل گزار بندہ حقیقتاً سراپا خدا بنجاتا ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس کشف کو حقیقت پر مبنی قرار دینے کے لئے کیوں اتنا زور صرف کیا جا رہا ہے؟ اگر ان تمام دعاوی کی تاویل یہی ہے کہ یہ مقام فنا کی تفسیر اور بطور مجاز و استعارہ ہیں۔ اور اس کے سوا اور کوئی تاویل ممکن ہی نہیں تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس کشف کی یہ تاویل کرنے میں سید صاحب کو جائز طور پر کیا عذر ہو سکتا ہے؟ خصوصاً جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بالتصریح اپنے اس کشف سے محبت الٰہی کا اعلیٰ مقام یعنے مقام فنا کا رتبہ مراد لیا ہے ؛

کشف کی تشریح چنانچہ حضور اپنی تصنیف کتاب البریہ ص۷۵ میں اس کشف کو بیان کرنے سے قبل تحریر فرماتے ہیں :-

"اس میں کیا شک ہے کہ جب کوئی انسان سے محبت کرے یا خدا سے۔ تو جب وہ محبت کمال کو پہنچتی ہے تو محب کو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اسکی رُوح اور اس کے محبوب کی رُوح ایک ہوگئی ہے اور فنا نظری کے مقام میں بسا اوقات وہ اپنے تئیں محبوب ہی ایک ہی دیکھتا ہے۔ نیز آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۴ میں اسی کشف کو بیان کر کے تحریر فرماتے ہیں۔

وَاَعْنِیْ بِعَیْنِ اللّٰہِ رُجُوْعَ الظِّلِّ اِلٰی اَصْلِہٖ وَغَیْبُوْبَتَہٗ فِیْہِ کَمَا یَجْرِیْ مِثْلُ هٰذِهِ الْحَالَاتِ فِیْ بَعْضِ الْاَوْقَاتِ عَلَی الْمُحِبِّیْنَ - کہ کشف میں اپنے آپ کو عین اللہ دیکھنے سے میری مراد اس حالت سے ہے۔ جو اللہ تعالےٰ سے محبت کرنے والوں پر بعض اوقات طاری ہوتی ہے یعنی یہ کہ وہ اپنے آپ کو خدا تعالےٰ کی ہستی میں فنا کر دیتے ہیں جیسا کہ سایہ اپنے اصل کیطرف لوٹے اور اس میں گم ہو جائے ؛

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تصنیفات میں جہاں بھی اس کشف کا ذکر کیا ہے وہاں اسکی اس قدر وضاحت فرما دی ہے کہ ایک حق جو طبیعت کے لئے اس سے زیادہ وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی لیکن باوجود اسکے معترضین کا تشریح کو نظر انداز کر کے اسے قابل اعتراض ٹھہرانا انکی بدنیتی کا بیّن ثبوت ہے اور سید صاحب بیچارے تو خوشہ چین ہیں۔ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ دوسروں کی نقل ہے اس لئے

وہ اس بارے میں ایک حد تک معذور ہیں۔

کشف کی تشریحات اور اسلام اب سوال یہ باقی رہ جاتا ہے۔ کہ کیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مذکورہ بالا تشریحات کے پیش نظر یہ کشف جیسا کہ سید صاحب کا خیال ہے تعلیم اسلام کے خلاف ہے؟ اس سوال پر غور کرنے کے لئے مَیں ذیل میں چند بزرگانِ امت اور علماء کی شہادتیں پیش کرتا ہوں جن میں انہوں نے قرآن مجید کی محولہ بالا آیات اور حدیث قدسی کی وہی تفسیر اور تشریح بیان کی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے اس کشف کا مطلب بیان فرماتے ہوئے کی ہے۔ امید ہے یہ شہادتیں ناظرین کے لئے اس سوال پر غور کرتے ہوئے کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے میں ممد و معاون ہونگی ؛

تفسیر روح البیان کی شہادت (۱) تفسیر روح البیان جلد ۴ زیر آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ لکھا ہے :- وَقَالَ اَهْلُ الْحَقِیْقَةِ هٰذِهِ الْاٰیَةُ کَقَوْلِهٖ تَعَالٰی۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ط فَالنَّبِیُّ قَدْ فَنِیَ عَنْ وُجُوْدِہٖ بِالْکُلِّیَّةِ وَتَحَقَّقَ بِاللّٰہِ فِیْ ذَاتِہٖ وَصِفَاتِہٖ وَاَفْعَالِہٖ فَکُلُّ مَا صَدَرَ عَنْہُ صَدَرَ عَنِ اللّٰہِ فَمُبَایَعَتُہٗ مُبَایَعَةُ اللّٰہِ کَمَا اَنَّ اِطَاعَتَہٗ اِطَاعَةُ اللّٰہِ سلمی قدس سرہٗ فرمودہ کہ ایں سخن در مقام جمع است وحق سبحانہ مرتبۂ جمع را برائے ہیچ کس تصریح نکردہ الا برائے آنکہ اخص واشرف موجودات ست۔ وَلِهٰذَا السِّرِّ یَقُوْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ دُوْنَ نَفْسِیْ نَفْسِیْ لِاَنَّہٗ لَمْ یَبْقَ فِیْهِ بَقِیَّةُ الْوُجُوْدِ اَصْلًا وَفِیْهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِلْکُمَّلِ مِنْ اَفْرَادِ اُمَّتِہٖ فَاعْرِفْ جِدًّا۔ ثُمَّ مَعْنٰی یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ اَیْ قُدْرَتُہُ الظَّاهِرَةُ فِیْ صُوْرَةِ قُدْرَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ فَوْقَ قُدْرَتِهِ الظَّاهِرَةِ فِیْ صُوَرِ اَیْدِیْهِمْ لِاَنَّہٗ مَظْهَرُ الْاِسْمِ الْاَعْظَمِ الْمُحِیْطِ الْجَامِعِ وَکُلُّ الْاَسْمَاءِ تَحْتَ حِیْطَةِ هٰذَا الْاِسْمِ الْجَلِیْلِ فَیَدُ النَّبِیِّ مَعَ غَیْرِہٖ کَیَدِ السُّلْطَانِ مَعَ مَا سِوَاہُ وَهُوَ اَیْ قَوْلُہٗ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ زِیَادَةُ التَّصْرِیْحِ فِیْ مَقَامِ عَیْنِ الْجَمْعِ .... وَالْحَاصِلُ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی جَعَلَ نَبِیَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَظْهَرًا لِکَمَالَاتِہٖ وَمِرْاٰةً لِتَجَلِّیَاتِہٖ وَلِذَا قَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ۔ فَلَمَّا فَنِیَ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَنْ ذَاتِہٖ وَصِفَاتِہٖ وَاَفْعَالِہٖ کَانَ نَائِبًا

عَنِ الْحَقِّ فِیْ ذَاتِہٖ وَصِفَاتِہٖ وَاَفْعَالِہٖ کَمَا قِیْلَ ع نائبست ودست اودست خدا
وَفِیْ هٰذَا الْمَقَامِ قَالَ الْحَلَّاجُ اَنَا الْحَقُّ وَاَبُوْ زَیْدٍ سُبْحَانِیْ سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ
شَانِیْ وَاَبُوْ سَعِیْدِ الْخَزَّازُ لَیْسَ فِی الْجُبَّۃِ غَیْرُ اللّٰہِ"

یعنی اہل التحقیق نے اس آیت کے متعلق کہا ہے کہ یہ آیت بھی اسی آیت کیطرح ہے۔ جس میں فرمایا جو رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ خدا کی اطاعت کرتا ہے۔ پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذات سے کلیتہً فنا ہوگئے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ اسکی ذات صفات اور افعال میں متحقق ہوگئے۔ تو ہر چیز جو حضور علیہ السلام سے صادر ہوئی وہ گویا خدا سے صادر ہوئی اور حضور کا بیعت لینا اسی طرح خدا کا بیعت لینا ہے۔ جیسا کہ حضور کی اطاعت خدا کی اطاعت کہلاتی ہے۔ سلمی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ یہ کلام مقام جمع میں ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے مقام جمع کی کسی کے لئے تصریح نہیں کی۔ سوائے اس کے جو اخص اور اشرف الموجودات ہے۔ اور اسی بھید کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے روز میری اُمت میری اُمت پکارینگے اور نفسی نفسی یعنے میرا نفس میرا نفس نہیں پکارینگے۔ کیونکہ حضور کا اپنا وجود تو کچھ باقی رہا ہی نہیں۔ اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے کامل افراد کے لئے حضور کی ذات میں کامل نمونہ ہے۔ پس تو اسے خوب سمجھ لے۔ اور یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ کے معنے یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کی وہ قدرت جو آنحضرت صلعم کی قدرت کی صورت میں ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ اسکی اس قدرت پر جو صحابہؓ کے ہاتھوں کی صورتوں میں ظاہر ہو رہی تھی۔ فوقیت رکھتی تھی۔ کیونکہ آپؐ اس اسم اعظم کے مظہر تھے جو سب پر محیط اور جامع ہے اور باقی تمام اسماء اس اسم جلیل کے ماتحت ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ غیروں کے ساتھ ایسا ہی تھا جیسے بادشاہ کا دوسروں کے ساتھ۔ اور آیت یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ میں زیادہ تصریح پائی جاتی ہے عین الجمع کے مقام میں۔ خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبیؐ کو اپنے کمالات کا مظہر اور اپنی تجلیات کا آئینہ بنایا ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے مجھے دیکھا۔ اس نے خدا کو دیکھا۔ اور جب حضور نے اپنی ذات۔ صفات اور افعال کو فنا کر دیا۔ تو خدا تعالےٰ کی ذات۔ صفات اور افعال میں اس کے نائب ہوگئے۔ ع نائبست ودست اودست خدا

اور اسی مقام میں حلاج نے انا الحق کہا اور ابو زید نے سبحانی ما اعظم شانی

(میری ذات پاک ہے میری شان بہت بڑی ہے) کہا۔ اور ابو سعید خراز نے کہا کہ میرے جبے میں سوائے خدا کے اور کوئی نہیں۔

(۲) پھر اسی تفسیر کی جلد اول میں زیر آیت وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی لکھا ہے "وَذٰلِکَ فِیْ مَقَامِ التَّجَلِّیْ فَاِذَا تَجَلَّی اللّٰہُ لِعَبْدٍ بِصِفَۃٍ مِّنْ صِفَاتِہٖ یُظْهِرُ عَلَی الْعَبْدِ مِنْہُ فِعْلًا یُنَاسِبُ تِلْکَ الصِّفَۃَ .... وَهٰذَا کَقَوْلِہٖ کُنْتُ لَہٗ سَمْعًا وَبَصَرًا الْحَدِیْث فَلَمَّا تَجَلَّی اللّٰہُ بِصِفَۃِ الْقُدْرَۃِ کَانَ قَدْ رَمٰی بِہٖ حِیْنَ رَمٰی وَکَانَ یَدُہٗ یَدُ اللّٰہِ فِیْ ذٰلِکَ کَمَا کُشِفَ الْقِنَاعُ عَنْ هٰذِہِ الْحَقِیْقَۃِ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ" یعنی یہ مقام تجلی میں ہے۔ جب اللہ تعالےٰ کسی بندے کے لئے اپنی کسی صفت کی تجلی کرتا ہے تو اس بندے پر اپنا کوئی ایسا فعل ظاہر کرتا ہے جو اس صفت کے مناسب ہو اور ...... یہ آیت اس حدیث کی طرح ہے۔ جس میں فرمایا کہ اللہ تعالےٰ بندے کے کان اور آنکھ بنجاتا ہے۔ پس جب اللہ تعالےٰ نے صفت قدرت کے ساتھ تجلی کی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کنکروں کی مٹھی پھینکی۔ وہ گویا خدا تعالےٰ کی مدد سے پھینکی۔ اور اس جہت سے آنحضرت صلعم کا ہاتھ گویا خدا کا ہاتھ ہو گیا جیسا کہ اس حقیقت سے آیت ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ الآیۃ میں پردہ اُٹھایا گیا ہے۔

تفسیر حقانی کی شہادت

مولانا عبدالحق محدث دہلوی تفسیر حقانی صـ۱۲ میں لکھتے ہیں:۔ "عارف کے ہاتھ خدا کے ہاتھ اور اسکی زبان خدا کی زبان اور اسکی آنکھ خدا کی آنکھ بن جاتی ہے۔ ...... اگرچہ خدائے پاک اپنی ذات اور صفات میں جمیع کائنات سے الگ اور ممتاز ہے۔ کوئی ممکن واجب نہیں ہوسکتا۔ لیکن عارف پر وجوب کا ایسا پرتو پڑتا ہے کہ اُس کے آثار اس میں ظہور کرنے لگتے ہیں تب اس کا تصرف عالم میں ہونے لگتا ہے۔ اور وہ شخص فنا فی اللہ اور باقی باللہ ہو جاتا ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

پس یہ انسان کا انتہائی کمال ہے۔ سو یہ مرتبہ خاص انبیاء علیہم السلام کو اور اُن سے کچھ اُتر کر اُن کے متبعین اولیاء اللہ کو نصیب ہوتا ہے"۔

شیخ عبدالقادر صاحب جیلانی کی شہادت

حضرت شیخ عبدالقادر صاحب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فتوح الغیب مقالہ ۱۶ میں فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ نے بعض کتابوں میں فرمایا ہے۔ اے آدم کے بیٹے میں اکیلا خدا ہوں۔ اور ہر چیز کو کُنْ کہنے سے پیدا کرتا ہوں تو میری اطاعت کر میں تجھے وہ مقام دوں گا۔ کہ جب تو کسی چیز کو کُنْ (ہوجا) کا حکم دیگا وہ ہو جائے گی۔ اور ایسا خدا تعالےٰ نے اپنے بہت سے انبیاء۔ اولیاء۔ اور خاص بندوں کے ساتھ کیا ہے۔" بہجۃ الاسرار و معدن الانوار ص۲۲۳ میں ان کا ایک لمبا الہامی قصیدہ درج ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:۔

اَنَا الْوَاحِدُ الْفَرْدُ الْکَبِیْرُ بِذَاتِہٖ　　اَنَا الْوَاصِفُ الْمَوْصُوْفُ عَلَمُ طَرِیْقَتِیْ

یعنے میں ہی واحد فرد کبیر بذاتہ ہوں۔ میں ہی وصف کرنیوالا موصوف اور اپنے راستے کا نشان ہوں

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید کی شہادت

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید دہلوی نے بھی اپنی کتاب الصراط المستقیم ص۱۴۰-۱۳۱ میں اس نکتہ کو بالتفصیل بیان فرما کر نتیجہ تحریر فرمایا ہے۔

"اگر از نفس کاملہ کہ اشرف موجودات است و نمونہ حضرت ذات است آواز انا الحق برآید محل تعجب نیست" یعنے اگر نفس کاملہ سے جو اشرف المخلوقات ہے آواز انا الحق آئے تو یہ محل تعجب نہیں اور اس کے متعلق نصیحت فرماتے ہوئے لکھا ہے:۔

"زنہار دریں معاملہ تعجب نہ نمائی و بانکار پیش نہ آئی" یعنے اس معاملہ میں تعجب نہ کرو۔ اور انکار سے مت پیش آؤ۔

شیخ معین الدین صاحب کی شہادت

خزائن اسرار الکلام شرح فصوص الحکم کے مقدمہ ص۹۶ میں لکھا ہے:۔ "جبکہ سالک کو حسب آیت وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ کے بعد ریاضت اور عبادات کے رفع غیریت ہو کر یقین حاصل ہوتا ہے نعرہ زن انا الحق ہوتا ہے جیسا کہ حضرت شیخ معین الدین قدس سرہ فرماتے ہیں:۔

"من نمے گویم انا الحق یار میگوید بگو　　چوں نمے گویم مرا دلدار مے گوید بگو"

حضرت فریدالدین صاحب عطار کی شہادت

تذکرۃ الاولیاء مصنفہ حضرت فریدالدین عطار قدس سرہ میں لکھا ہے:۔

"جو شخص حق میں محو ہو جاتا ہے وہ حقیقت میں سرتاپا حق ہی ہوتا ہے۔ اور اگر وہ آدمی خود نہ رہے۔ اور سب حق کو ہی دیکھے تو یہ عجب نہیں ہوتا۔" (ملاحظہ ہو تذکرہ بایزید بسطامی) نیز اسی جگہ حضرت بایزید بسطامی کا ایک قول نقل کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:۔

سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ" یعنے مری ذات پاک ہے۔ مری شان کس قدر بلند ہے۔ نیز فرماتے ہیں:۔ "مری صفتیں غیب کے اندر غیب ہیں۔ پس جو ایسا ہو۔ وہ کیونکر کوئی شخص ہو سکتا ہے۔ بلکہ وہ زبان حق ہوتا ہے۔ اور بولنے والا خود حق ہوتا ہے۔ بِیْ یَنْطِقُ وَبِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ۔ اس واسطے خدا بایزید کی زبان سے گفتگو کرتا ہے۔"

خزائن اسرار الکلام کا حوالہ

خزائن اسرار الکلام شرح فصوص الحکم کے مقدمہ میں ص۱۳۱ پر لکھا ہے:۔

"تیسرا مقام فناء الفنا کا ہے جس میں محویت اس قدر ہوتی ہے۔ کہ سالک کو اپنے نفس اور فنا کا بھی شعور باقی نہیں رہتا۔ اسی مقام میں صدائے اَنَا الْحَقُّ وَ سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ وغیرہ سالک سے کبھی سرزد ہوتی ہے۔" نیز صفحہ ۲۳-۲۴ میں لکھا ہے۔

"آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عین اللہ کے تھے۔ اور صحابہ کرامؓ وقت بیعت مشاہد حق تعالےٰ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں۔ جو اس کے مظہر اکمل ہیں۔ پھر اللہ تعالےٰ نے انہی معنوں کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ اللہ کا ہاتھ صحابہ کرامؓ مبایعین کے ہاتھ پر ہے۔ اور اس جگہ سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کے جو بیعت کرنے والوں کے ہاتھ پر تھا۔ اور کوئی ہاتھ نہ تھا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عین اللہ کے ہیں۔ صحابہ مبایعین کے مشاہدہ میں۔ اور حضور کا ہاتھ بھی اللہ کا ہاتھ ہے۔ ان کے مشاہدہ میں۔"

اس ضمن میں اقوال تو اور بھی بہت سے پیش کئے جا سکتے ہیں مگر بخوف طوالت انہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ سید صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کشف کو "خارج از اسلام" قرار دیا ہے۔ مگر مذکورہ بالا حوالہ جات سے ظاہر ہے۔ کہ امت کے کئی ایک جلیل القدر اولیاء اور بزرگوں نے صریح طور پر فنا نظری کے مقام میں عین اللہ ہونے کا دعوےٰ کیا ہے۔ اور علماء میں سے قریباً ہر خیال اور مسلک کی پیروی کرنیوالوں نے ان دعاوی کو ایک اعلیٰ روحانی مقام سے تعبیر کر کے انہیں تعلیم اسلام کے عین مطابق قرار دیا ہے۔

ایک ضروری بات

ان تمام باتوں کے ساتھ یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا تعالےٰ کی عینیت کا دعوےٰ ہرگز اس صراحت سے نہیں کیا جس صراحت سے مذکورہ بالا حوالہ جات میں بعض بزرگوں نے کیا ہے۔ بلکہ یہ محض حضور کا ایک کشف ہے جو تعبیر طلب ہے۔ اور اسے حقیقت پر محمول نہیں کیا جا سکتا اور یہ حوالہ جات محض بطور الزام خصم پیش کئے گئے ہیں۔ ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس کشف کو ان اولیاء امت کے دعاوی سے بلحاظ صراحت کوئی نسبت نہیں۔ پس جب ان صریح دعاوی کی تاویل کی جاتی ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک کشف کی کیوں تاویل جائز نہیں خصوصاً جبکہ کشف میں اصل تاویل اور تعبیر ہوتی ہے۔

نیا علم کلام

سید صاحب نے اپنے مضمون کی قسط ششم میں منصور کے دعویٰ انا الحق کو خلاف شریعت ٹھہرایا ہے جسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کشف پر اعتراض کرتے ہوئے غالباً یہ یاد آگیا کہ پہلے بزرگوں میں سے بھی بعض نے عالم کشف میں نہیں۔ بلکہ عالم شہود میں بالتصریح ایسے دعاوی کئے ہیں اور انہیں فنا فی اللہ کے مقام کی تاویل سے جائز قرار دیا گیا ہے لہٰذا آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف اپنی کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے ایک نئے علم کلام کی بُنیاد ڈالی۔ اور اس قسم کے کلام کو سرے سے ہی ناجائز قرار دے دیا۔ لیکن قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات اور حدیث قدسی کی تشریح اور تفسیر میں علماء ربانی اور اولیاء امت کے مذکورہ بالا ارشادات اور دعاوی کے سامنے سید صاحب کے اس نو ایجاد "علم کلام" کی کچھ حقیقت نہیں رہتی۔ سید صاحب کو چاہیئے تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اعتراضات کرتے وقت اپنی نظر کو وسیع کرتے۔ اور ایک محقق کی طرح ان مضامین پر قلم اُٹھانے سے قبل اپنی مذھبی کتابوں کا مطالعہ فرما لیتے۔ تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جس وجہ سے آپ اعتراض کر رہے ہیں وہ آپکے دوسرے مسلم بزرگوں میں بھی پائی جاتی ہے

بزرگانِ اسلام اور سید حبیب صاحب

سید صاحب نے شائد یہ سمجھ رکھا ہے کہ صرف ایک منصور ہی نے دعویٰ انا الحق کیا تھا۔ اس لئے آپ نے کمال بے تکلفی اور مفتیانہ انداز سے اسے قابل دار ٹھہرا دیا۔ مگر کیا فرمائیں گے سید صاحب خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جنہوں نے نہایت زوردار الفاظ میں یہی دعوےٰ

کرتے ہوئے فرمایا ع

من نمے گویم انا الحق یار میگوید بگو چوں نمے گویم مرا دلدار مے گوید بگو

پھر حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو "سبحانی ما اعظم شانی" کا نعرہ بلند کرتے رہے۔ نیز سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جنہوں نے فرمایا انا الواحد الفرد الکبیر بذاتہ۔ اسی طرح حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب شہید بریلوی اور دیگر بزرگوں کے متعلق جنہوں نے قرآن مجید کی مذکورہ آیات اور حدیث قدسی کی روشنی میں ایسے دعاوی کو فنا فی اللہ کی تعبیر سے جائز قرار دیا ہے۔

سید حبیب صاحب کی چھٹی دلیل کی حقیقت

سید صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے (نعوذ باللہ) جھوٹے ہونیکی چھٹی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

میرے عقیدہ کے مطابق احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین تھے۔ مرزائی صاحبان بھی حضور ممدوح کی شان میں خاتم النبیین کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ مگر مجھے علی وجہ شہادت علم ہے۔ کہ خاتم النبیین کا جو مفہوم عام مسلمانوں کے ذہن میں موجود ہے۔ وہ احمدی جماعت کے مفہوم ذہنی سے کوسوں دُور ہے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ حضور سرور کائنات فداہ امی وابی کے بعد کوئی ظلّی۔ بروزی۔ صاحب شریعت یا بغیر شریعت نبی مبعوث نہیں ہو سکتا۔ اسکے برعکس احمدی جماعت مرزا صاحب کی نبوت کی قائل ہے۔ اور خود مرزا صاحب مدعی نبوت ہیں۔ لہٰذا میرے لئے تحریک قادیان قابل قبول نہیں ۔۔۔۔۔۔

۔۔۔ مجھے علم ہے کہ مرزائی صاحبان خاتم النبیین کے متعلق لفظی نزاع کے لئے ہر وقت بحث و جدال کیلئے تیار رہتے ہیں۔ لیکن میں اس جھگڑے کو غیر ضروری سمجھتا ہوں۔ اور اس پر بحث کرنا گناہ جانتا ہوں۔ حضرت امام الاعظم رضی اللہ کا ارشاد ہے کہ کسی مدعی نبوت سے دلیل یا ثبوت طلب کرنا کفر ہے۔ اس لئے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ سائل مفتخر بنی نوع آدم و باعث تخلیق عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امکان نبوت کو صحیح سمجھتا ہے۔ کاش ہمارے علماء کرام اس ارشاد سے فائدہ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا تعالیٰ کی عینیت کا دعوےٰ ہرگز اس صراحت سے نہیں کیا جس صراحت سے مذکورہ بالا حوالہ جات میں بعض بزرگوں نے کیا ہے۔ بلکہ یہ محض حضور کا ایک کشف ہے جو تعبیر طلب ہے۔ اور اسے حقیقت پر محمول نہیں کیا جا سکتا اور یہ حوالہ جات محض بطور الزام خصم پیش کئے گئے ہیں۔ ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس کشف کو ان اولیاء امت کے دعاوی سے بلحاظ صراحت کوئی نسبت نہیں۔ پس جب ان صریح دعاوی کی تاویل کی جاتی ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک کشف کی کیوں تاویل جائز نہیں خصوصاً جبکہ کشف میں اصل تاویل اور تعبیر ہوتی ہے۔

نیا علم کلام

سید صاحب نے اپنے مضمون کی قسط ششم میں منصور کے دعوٰی انا الحق کو خلاف شریعت ٹھہرایا ہے جسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کشف پر اعتراض کرتے ہوئے غالباً یہ یاد آگیا کہ پہلے بزرگوں میں سے بھی بعض نے عالم کشف میں نہیں۔ بلکہ عالم شہود میں بالتصریح ایسے دعاوی کئے ہیں اور انہیں فنا فی اللہ کے مقام کی تاویل سے جائز قرار دیا گیا ہے لہذا آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف اپنی کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے ایک نئے علم کلام کی بُنیاد ڈالی۔ اور اس قسم کے کلام کو سرے سے ہی ناجائز قرار دے دیا۔ لیکن قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات اور حدیث قدسی کی تشریح اور تفسیر میں علماء ربانی اور اولیاء امت کے مذکورہ بالا ارشادات اور دعاوی کے سامنے سید صاحب کے اس نوایجاد "علم کلام" کی کچھ حقیقت نہیں رہتی۔ سید صاحب کو چاہیئے تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اعتراضات کرتے وقت اپنی نظر کو وسیع کرتے۔ اور ایک محقق کی طرح ان مضامین پر قلم اُٹھانے سے قبل اپنی مذہبی کتابوں کا مطالعہ فرما لیتے۔ تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جس وجہ سے آپ اعتراض کر رہے ہیں وہ آپکے دوسرے مسلم بزرگوں میں بھی پائی جاتی ہے

بزرگان اسلام اور سید حبیب صاحب

سید صاحب نے شائد یہ سمجھ رکھا ہے کہ صرف ایک منصور ہی نے دعوٰی انا الحق کیا تھا۔ اس لئے آپ نے کمال بے تکلفی اور مفتیانہ انداز سے اسے قابل دار ٹھہرا دیا۔ مگر کیا فرمائیں گے سید صاحب خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جنہوں نے نہایت زوردار الفاظ میں یہی دعوےٰ

کرتے ہوئے فرمایا ع

من نمے گویم انا الحق یار میگوید بگو　　چوں نمے گوئم مرا دلدارے گوید بگو

پھر حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو "سبحانی ما اعظم شانی" کا نعرہ بلند کرتے رہے۔ نیز سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جنہوں نے فرمایا انا الواحد الفرد الکبیر بذاتہ۔ اسی طرح حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب شہید بریلوی اور دیگر بزرگوں کے متعلق جنہوں نے قرآن مجید کی مذکورہ آیات اور حدیث قدسی کی روشنی میں ایسے دعاوی کو فنا فی اللہ کی تعبیر سے جائز قرار دیا ہے۔

سید حبیب صاحب کی چھٹی دلیل کی حقیقت

سید صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے (نعوذ باللہ) جھوٹے ہونیکی چھٹی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

میرے عقیدہ کے مطابق احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین تھے۔ مرزائی صاحبان بھی حضور ممدوح کی شان میں خاتم النبیین کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ مگر مجھے علی وجہ شہادت علم ہے۔ کہ خاتم النبیین کا جو مفہوم عام مسلمانوں کے ذہن میں موجود ہے۔ وہ احمدی جماعت کے مفہوم ذہنی سے کوسوں دُور ہے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ حضور سرور کائنات فداہ امی وابی کے بعد کوئی ظلی۔ بروزی۔ صاحب شریعت یا بغیر شریعت نبی مبعوث نہیں ہو سکتا۔ اسکے برعکس احمدی جماعت مرزا صاحب کی نبوت کی قائل ہے۔ اور خود مرزا صاحب مدعی نبوت ہیں۔ لہذا میرے لئے تحریک قادیان قابل قبول نہیں ۔۔۔۔۔۔

۔۔۔ مجھے علم ہے کہ مرزائی صاحبان خاتم النبیین کے متعلق لفظی نزاع کے لئے ہر وقت بحث و جدال کیلئے تیار رہتے ہیں لیکن میں اس جھگڑے کو غیر ضروری سمجھتا ہوں۔ اور اس پر بحث کرنا گناہ جانتا ہوں۔ حضرت امام الاعظم رضی اللہ کا ارشاد ہے کہ کسی مدعی نبوت سے دلیل یا ثبوت طلب کرنا کفر ہے۔ اس لئے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ سائل مفتخر بنی نوع آدم و باعث تخلیق عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امکان نبوت کو صحیح سمجھتا ہے۔ کاش ہمارے علماء کرام اس ارشاد سے فائدہ

اٹھانے اور مرزا صاحب سے نہ الجھنے . . . . . . میں اس وجہ سے بھی اس بحث سے گریز کرتا تھا اور اب بادل نخواستہ اس بحث پر اظہار خیال کر رہا ہوں۔ تو اس کی ذمہ واری دوسروں پر ہے . . . . . . خاتم النبیین کے الفاظ پر اس لئے بھی بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ کہ حضورؐ کے بعد بعثت انبیاء کے انقطاع کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آجتک کوئی نبی مبعوث ہی نہیں ہوا۔"

خاتم النبیینؐ کے معنی

سید صاحب کا یہ خیال ایک حد تک درست ہے کہ ہمارے نزدیک خاتم النبیین کے وہ معنے نہیں۔ جو عوام اس سے سمجھتے ہیں عوام کے مذہبی عقائد کی بنیاد ہمیشہ سنی سنائی باتوں پر ہوتی ہے اور چونکہ انہوں نے ہر مسئلہ کے مالہ وماعلیہ کی پوری تحقیق نہیں کی ہوتی۔ اس لئے اس کے تمام پہلوؤں سے واقف نہیں ہوتے۔ علماء عوام کی آسانی کی خاطر ایک بات کو اجمالی اور عمومی رنگ میں بیان کر دیتے ہیں اور اسکی باریکیوں سے قطع نظر کرتے ہیں÷

آیت خاتم النبیینؐ کے جو معنے عوام کے نزدیک مشہور ہیں۔ اور جو یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبی نہیں آسکتا۔ وہ اس اعتبار سے درست ہیں کہ حضورؐ کے بعد اب کوئی تشریعی نبی نہیں آسکتا۔ النّبیین کا الٗ نحو کی رُو سے عہد کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک خاص قسم کی نبوت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوگئی۔ اور آپؐ کے بعد شریعت لانیوالا نبی نہیں آسکتا۔ علماء عوام کو سمجھانے کے لئے یہی معنی بیان کرتے رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت بند ہے۔ مگر تشریعی۔ غیر تشریعی اور ظلی۔ بروزی کا فرق چونکہ ہر شخص بآسانی سمجھ نہیں سکتا۔ اس لئے علماء نے عوام کے سامنے اسکی تشریحات سے قطع نظر کی۔ اور نہ ہی وقت اور ضرورت کے لحاظ سے اس کی وضاحت کرنے کی کوئی حاجت سمجھی۔ ہاں انکی تالیفات اور تصنیفات میں ان امتیازات کو اہل علم کے افادہ کے لئے بیان کیا گیا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد غیر تشریعی نبوت کے جاری ہونے کو بلا استثنا گزشتہ سب مسلم بزرگوں اور علماء نے تسلیم کیا ہے مگر اس کے خلاف کوئی بھی ایسی شہادت پیش نہیں کی جاسکتی جس میں نبوت غیر تشریعی کے بند ہونے کا ذکر ہو۔ پس آیت خاتم النبیینؐ کا جو مفہوم عوام میں مشہور ہے۔ اس سے گو کلیتہً ہم متفق نہیں۔ تاہم اس حد تک ہم ان سے اتفاق رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت تشریعی بند ہے۔ اب اختلاف صرف یہ باقی رہ جاتا ہے۔ کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت غیر تشریعی جاری ہے یا بند۔

نبوّت غیر تشریعی بند نہیں

ہمارے نزدیک نبوت غیر تشریعی یا نبوت بروزی جس کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعویٰ کیا ہے اور جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افاضۂ روحانیہ سے مستفیض ہو کر کوئی شخص مقام نبوت یعنی خدا تعالیٰ سے کثرت مکالمہ ومخاطبہ کا شرف حاصل کرے۔ جاری ہے لیکن ہمارے غیر احمدی دوستوں یا باصطلاح سید صاحب عام مسلمانوں کے نزدیک یہ بھی نبوۃ تشریعی کی طرح بند ہے جب میں یہ کہتا ہوں کہ نبوت غیر تشریعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد غیر احمدی دوستوں کے نزدیک بند ہے تو اس سے میری مراد یہ ہے کہ جب وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ پر بحث کے لئے ہمارے مقابل پر آتے ہیں تو وہ ظاہر یہ کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ نبوت بند ہے گو عقیدہ ان کا بھی ہماری طرح یہی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت غیر تشریعی جاری ہے÷

مسیح موعود کے نبی ہونے پر اتفاق

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمت محمدیہ کو اپنے بعد جس مسیح موعود کی آمد کی بشارت دی ہے اس کو حضور نے چار دفعہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں نبی اللہ کہہ کر پکارا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان مسلمان کہلاتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تکذیب کی جرأت نہیں کر سکتا اور یہ نہیں کہہ سکتا کہ مسیح موعود نبی نہ ہوگا۔ دوسری طرف قرآن مجید کی رُو سے یہ ماننا بھی ضروری ہے کہ اب کوئی نئی شریعت نہیں آسکتی۔ لہذا مسیح موعود کو نبی ماننے کی یہی ایک صورت باقی رہ جاتی ہے کہ اسے نبی غیر تشریعی مانا جائے اور اس تطبیق کے سوا اور کوئی تطبیق کی صورت ممکن ہی نہیں۔ اسی لئے پہلے بزرگان اُمت۔ مثلاً مشہور محدث ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے موضوعات کبیر ص۵۸ و ص۵۹ میں اور حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات مکیہ جلد ۲ ص۷۳ میں۔ اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے بزرگوں نے بالتصریح اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت غیر تشریعی جاری ہے اور مسیح موعود غیر تشریعی نبی ہوگا۔ پس اس لحاظ سے کہ ہمارے غیر احمدی دوست بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایک غیر تشریعی نبی کی آمد کے قائل ہیں۔ ہم میں اور ان میں نبوت مسیح موعود کے متعلق عقیدہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ پھر نہ معلوم وہ ہمارے ساتھ کیوں ختم نبوۃ کے معنوں میں جھگڑا کرتے اور یہ کہتے ہیں۔ کہ "مرزا صاحب چونکہ مدعی نبوت ہیں لہذا تحریک قادیان

ہمارے لئے قابلِ قبول نہیں۔ کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا یہ عذر عذرِ لنگ سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتا؟

نبوت کا اجراء اور سابقہ بزرگ

میں ذکر کر چکا ہوں۔ کہ عوام بے شک اپنی کوتاہ فہمی سے خاتم النبیین کے یہ معنے سمجھتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبی نہیں آسکتا۔ گو ان کا یہ خیال ان کے دوسرے عقیدہ یعنی مسیح موعود کے نبی اللہ ہونیکے صریح خلاف ہے مگر علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت غیر تشریعی کو اس کے مفہوم کے خلاف قرار نہیں دیا۔ میری مراد علماء سے وہ علماء ربانی ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے دعویٰ سے پہلے گذر چکے ہیں اور ان میں سے بطور مثال یعنے محدثین میں سے ملا علی قاری رح اور اولیاء میں سے حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رح کا ذکر کیا ہے؟

اب سید صاحب ہی فرمائیں کہ عوام کی جن کے عقائد کسی دلیل وبصیرت پر مبنی نہیں ہوتے۔ اتباع لازم ہے یا علماء اور اولیاء اللہ کی۔ نیز یہ کہ مسیح موعود کی آمد کے عقیدہ کو مانتے ہوئے کونسا عقیدہ قرین قیاس اور مطابق عقل ہے۔

اجتماع ضدین

سید صاحب نے خاتم النبیین کے اس مفہوم کی جو عام مسلمانوں کے ذہن میں موجود ہے۔ کوئی دلیل پیش نہیں کی سوائے ایک لطیفہ کے جسے دلیل نہیں کہا جاسکتا۔ اور میں انشاء اللہ آگے چلکر اسکی حقیقت ظاہر کروں گا، بظاہر اسکی وجہ آپنے یہ بیان کی ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے کسی ارشاد کے مطابق جس کا آپنے حسب عادت کوئی حوالہ نہیں دیا۔ ایسا کرنا گناہ اور کفر ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ ان لوگوں کے پاس کوئی ایسی معقول دلیل ہے ہی نہیں جسے وہ اپنے مفہوم ذہنی کی تائید میں پیش کرسکیں۔ وہ جسقدر دلائل اپنے خودساختہ مفہوم کی تائید میں پیش کریں۔ ان سب کی تردید کے لئے ہماری طرف سے صرف ایک یہی جواب کافی ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ کلیتہً بند ہے تو پھر مسیح موعود کس دروازہ سے آئیں گے اگر کہو کہ وہ پُرانے نبی ہیں۔ اس لئے آسکیں گے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ اوّل تو جس آیت سے یہ استدلال کیا جاتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبی نہیں آسکتا۔ اس میں نئے پُرانے کی کوئی تخصیص نہیں۔ دوم۔ سوال تو اصولی رنگ میں یہ ہے کہ آیا نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبی آسکتا ہے یا نہیں۔ اس کا جواب

جب نفی میں دیا جاتا ہے۔ تو پھر کیا یہ عجیب بات نہیں۔ کہ اس میں سے آپ ایک استثنا کو جائز بھی قرار دیتے ہیں۔ اس کے تو یہ معنے ہیں۔ کہ نبوت کا دروازہ بند بھی ہے۔ اور کھلا بھی۔ جس سے اجتماع ضدین لازم آتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ایک اعتبار سے بند ہے۔ اور ایک اعتبار سے کھلا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اصولاً آپ نے یہ تسلیم کر لیا۔ کہ دروازہ نبوت ایک اعتبار سے کھلا ہے۔ اور ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوے کو قبول کرنے میں روک نہیں ہونی چاہیئے۔

آخری نبی کون ہوگا

نبوت کو کلیتہً بند قرار دینے والے دوستوں کی سادگی ملاحظہ ہو۔ کہ ایک طرف تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ خاتم النبیین ہیں یعنی تمام نبیوں کے آخیر پر آئے۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اور دوسری طرف یہ بھی مانتے ہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام ابھی تک زندہ آسمان پر تشریف رکھتے ہیں اور قیامت سے قبل کسی وقت ظاہر ہو کر لوگوں کو جبراً اسلام میں داخل کرینگے اور اسکے بعد قیامت آئیگی۔ قطع نظر اس سے کہ آخر میں کسی کا آنا عقل ونقل کے رُو سے وجہ فضیلت ہو بھی سکتا ہے یا نہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اس عقیدہ کی رو سے تمام نبیوں کے اخیر پر آنیوالا کون ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ میرے خیال میں کوئی منعصب سے منعصب بھی اس بات سے انکار نہیں کرے گا کہ اس لحاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سب سے آخری پیغمبر ہونگے لہٰذا اس اعتبار سے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ خاتم النبیین کے معنے اگر یہ ہیں کہ جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو تو اس کے حقیقی مصداق آنحضرت صلعم نہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

ضرورت نبی

عقلاً یہ بات کسی معقولیت پسند انسان کی سمجھ میں نہیں آسکتی کہ پہلے تو خدا تعالےٰ معمولی معمولی خرابیوں کو دُور کرنے کے لئے انبیاء مبعوث کرکے بھیجتا رہا۔ مگر اب قیامت تک یہ سلسلہ پہلے سے زیادہ ضرورت کے ہوتے ہوئے بند کر دیا جائے۔ کاش ہمارے غیر احمدی دوست اس بات پر غور فرمائیں کہ نبوت کی علت غائی گمراہی اور ضلالت کو دُور کرنا ہے۔ پہلے جب کبھی گمراہی پھیلتی رہی انبیاء آتے رہے۔ لہٰذا اب بھی جب تک گمراہی دنیا میں موجود ہے یہ ضرورت باقی ہے کیونکہ زہر کی موجودگی میں تریاق کی ضرورت مسلّم ہے۔ پھر ایسی حالت میں کہ زہر پہلے سے زیادہ خطرناک صورت میں رو نما

ہو۔ یہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ نبوت جو گمراہی جیسے زہر کے لئے تریاق کا حکم رکھتی ہے قطعاً بند ہو گئی ہے۔ مقام تعجب ہے کہ ضرورت کو تو تسلیم کیا جاتا ہے مگر اس بات سے انکار کیا جاتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے اس ضرورت کو پورا کرنے کے سامان بھی مہیا فرمائے ہیں۔ خواجہ الطاف حسین صاحب حالی مسلمانوں اور زمانہ کی ابتر حالت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

نبوت نہ گر ختم ہوتی عرب پر ۔۔۔ تو ہم پر بھی مبعوث ہوتا پیمبر

گویا حالت تو ہماری ایسی ہے جو ایک نبی کی بعثت کا اقتضا کرتی ہے مگر کیا کیا جائے عرب پر ہی خدا تعالےٰ نے اس نعمت کو ختم کر دیا ہے اس لئے ہم میں اب نبی مبعوث نہیں ہو سکتا۔ لیکن اسکے تو یہ معنی ہیں کہ خدا تعالےٰ نے انسانوں کو پیدا کر کے ان کے گمراہ ہونیکے سامان تو کر دیئے اور پہلے سے بہت زیادہ کر دیئے مگر ہدایت دینے کا جو طریق تھا یعنی نبی مبعوث کرنا اسے بند کر دیا۔ اس طرح تو خدا تعالےٰ نعوذ باللہ ظالم ٹھیرتا ہے۔ پس یہ بات ہرگز عقلاً قابل قبول نہیں کہ اب نبوت کا دروازہ کلیتہً مسدود ہو گیا۔

قرآن کریم اور مسئلہ نبوت

نقلاً بھی اگر دیکھا جائے تو آیت خاتم النبیین کے جو معنی غیر احمدی دوست کرتے ہیں انکی تائید میں وہ قرآن مجید کی کوئی دوسری آیت پیش نہیں کر سکتے۔ قرآن مجید کے متعلق آیا ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کی تفسیر کرتا ہے مگر غیر احمدی دوست قرآن مجید کی ایک آیت بھی پیش نہیں کر سکتے جو خاتم النبیین کے ان معنوں کی تائید کرے کہ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت بند ہو گئی ہے۔ ہاں اسکے برعکس بہت سی ایسی آیات پیش کیجا سکتی ہیں جن سے اجرائے نبوت کا ثبوت ملتا ہے اور ان میں سے چند ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

پہلی آیت

سورہ حج رکوع آخری میں آتا ہے۔ اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ۔ یعنے اللہ تعالےٰ چنتا ہے۔ فرشتوں میں سے پیغامبر۔ اور انسانوں میں سے۔ آیت میں لفظ یصطفی بصیغہ مضارع معروف وارد ہوا ہے جو استمرار تجددی کا فائدہ دیتا ہے گویا خدا تعالیٰ نے اس میں اپنی عادت مستمرہ کا ذکر فرمایا ہے کہ میں فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول چنتا رہتا ہوں۔ آیت رُسُلًا کا لفظ بھی جو رسول کی جمع ہے ہمارے مدعا کو ثابت کر رہا ہے اس کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ وہ دنیا میں دو گروہوں میں سے رسول اور پیغامبر بھیجتا ہے ملائکہ میں سے اور انسانوں میں سے۔ ہمارے غیر احمدی دوست یہ تو مانتے ہیں کہ ملائکہ میں سے خدا تعالیٰ کے

پیغامبر اب بھی دنیا میں آتے ہیں اور اپنے فرائض سر انجام دیتے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ انسانوں میں سے اب کوئی رسول نہیں آسکتا۔ حالانکہ خدا تعالےٰ نے دونوں قسم کے رسولوں کو بھیجنے کا ایک ہی آیت میں ذکر کیا ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت اور رسالت کا سلسلہ بند ہو گیا تھا۔ تو خدا تعالیٰ یہ فرماتا کہ پہلے تو میں ملائکہ اور انسانوں میں سے رسولوں کا انتخاب کیا کرتا تھا۔ مگر اب چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہو گئے ہیں اس لئے آیندہ صرف ملائکہ میں سے ہی پیغامبر بھیجا کروں گا +

دوسری آیت

سورہ آل عمران رکوع ۱۷ میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَکُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ یعنی خدا تعالیٰ غیب پر اطلاع ہر فرد کو نہیں دے گا۔ ہاں وہ اپنے رسولوں میں سے جسکو چاہے گا چنے گا پس اے مومنو! اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا۔ اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور تقوٰی اختیار کرو گے تو تمہارے لئے بڑا اجر ہوگا۔ اس آیت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد رسالت کے جاری ہونے کو تسلیم کیا گیا ہے۔

تیسری آیت

سورہ نساء رکوع ۹ میں فرمایا۔ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا۔ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرینگے وہ ان لوگوں میں شامل ہو جائیں گے جنپر خدا تعالیٰ نے انعام کیا۔ اور وہ نبیوں اور صدیقوں شہیدوں اور صلحاء کے گروہ ہیں۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ان چاروں مراتب روحانیہ کا وارث بنا سکتی ہے اور یہ بات حضور کو دوسرے انبیاء سے ممتاز کرتی ہے چونکہ انکے متبعین زیادہ سے زیادہ صدیقیت کا رتبہ حاصل کر سکتے تھے جیساکہ فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّھَدَآءُ یعنی جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور تمام رسولوں پر وہ صدیق اور شہید ہوئے۔ اور عقل بھی یہی چاہتی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ لہذا حضور کی متابعت سے کوئی اعلیٰ رتبہ ملنا چاہیئے۔ جو حضور کی افضلیت کا ثبوت ہو۔ اگر پہلے انبیاء کی طرح حضور کی اتباع سے بھی زیادہ سے زیادہ صدیقیت کا رتبہ ہی مل سکتا۔ تو حضور کی افضلیت متبعین کے لئے باعث فخر و مباہات نہیں ہو سکتی۔ اور یہ محض دعوٰی ہی دعوٰی

رہ جاتا ہے۔

حضرت امام اعظمؒ کا ارشاد اور سید حبیب صاحب

سید صاحب فرماتے ہیں۔ کہ حضرت امام اعظم کے ارشاد کے مطابق مدعی نبوت کی صداقت کے مسئلہ پر بحث کرنا گناہ اور کفر ہے۔ مگر باوجود اس کے آپ بڑے زور شور کے ساتھ اس بحث میں مصروف بھی رہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو امام اعظمؒ کے قول کا پاس نہیں۔ یا یہ کہ امام صاحب کا ایسا کوئی قول ہے ہی نہیں۔ عجیب بات ہے۔ سید صاحب ایک طرف تو یہ فرما رہے ہیں۔ کہ ان مسائل پر بحث کرنا گناہ اور کفر ہے اور دوسری طرف اس گناہ اور کفر کا ارتکاب بھی کر رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی دوسروں کو نصیحت بھی فرما رہے ہیں۔ کہ دیکھو تم یہ گناہ اور کفر نہ کرنا۔ میں تو بعض مجبوریوں کی وجہ سے اس بحث میں پڑ گیا ہوں حالانکہ اگر ایک کام شریعت کی رُو سے گناہ اور کفر ہے تو وہ ہر شخص کے لئے خواہ مجبور ہو یا مختار گناہ اور کفر ہے۔ علاوہ ازیں سید صاحب نے جو مجبوری بیان کی ہے وہ ایسی مجبوری نہیں جس سے انکی حالت ایسے اضطرار کی حد تک پہنچ جائے جسمیں شریعت کی رُو سے حرام اور ناجائز چیز کا ارتکاب مثلاً سؤر کھا لینا جائز ہو جاتا ہے کیونکہ آپ نے اس گناہ اور کفر کے ارتکاب کی جو وجہ بیان کی ہے وہ صرف یہ ہے کہ آپنے ایک احمدی سے "تحریک قادیان" پر مضامین لکھنے کا وعدہ کر لیا۔ جسے نبھانا آپنے ضروری سمجھا لیکن ایک عقلمند کی نگاہ میں کفر اختیار کرنے کے لئے اس عذر کی جو حقیقت ہے وہ ظاہر ہے اگر فی الحقیقت امام اعظم رحمۃ علیہ نے ان مسائل پر بحث کرنا اتنا بڑا سنگین جرم قرار دیا ہے تو سید صاحب کو چاہئیے تھا کہ اس احمدی کے اصرار کے باوجود اس قول کا تذکرہ کر کے اپنی مجبوری کا اظہار فرما دیتے۔ مگر آپنے یہ بہت بڑی غلطی کی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ نبوت کے خلاف دلائل دینا شروع کر دیا۔ آپ کو حضرت امام اعظمؒ کے ارشاد کے مطابق صرف یہی کہدینا چاہئیے تھا کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی مدعی نبوت کی صداقت پر بحث کرنا کفر ہے۔ کیونکہ اس کی صداقت پر بحث کرنیکا مطلب یہ ہے۔ کہ بحث کرنیوالا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امکان نبوت کا قائل ہے۔ لہذا میں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا ؛

اب یا تو یہ ماننا پڑے گا۔ کہ آپ کو بعض "خاص مشکلات" پیش آگئی تھیں جنکی وجہ سے آپ کو نہ صرف یہ کہ اضطراری حالت تک پہنچنے کا اندیشہ ہی تھا۔ بلکہ آپ کی حالت عملاً اس حد تک پہنچ گئی تھی جس میں حرام یا ناجائز چیز کا ارتکاب جائز ہو جاتا ہے۔ یا یہ ماننا پڑے گا کہ آپنے شریعت کے احکام کو توڑ کر گناہ اور کفر کا ارتکاب کیا۔ قول امامؒ کی صریح طور پر دیدہ دانستہ مخالفت کی۔ اور ان کے

فتوے کی کچھ پروا نہیں کی۔

سید صاحب سے استفسار

یہیں پر بس نہیں۔ بلکہ میں سید صاحب کو ذرا اور آگے لیجانا چاہتا ہوں اور آپ سے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا ارشاد کی روشنی میں بطور استفتاء یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کا ان علمائے کرام کی نسبت کیا خیال ہے جو آئے دن جماعت احمدیہ کے ساتھ خاتم النبیین کے معنوں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر بحث و مباحثہ کرتے رہتے ہیں۔ کیا وہ اس فتویٰ کی رو سے گنہگار اور کافر نہیں بنجاتے۔ خصوصاً علمائے دیوبند۔ سہارنپور۔ نیز آپ کے ممدو معین خاص منشی محمد یعقوب پٹیالوی۔ لال حسین اختر اور آپ کے "مہربان خاص" مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری وغیرہ کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے جن کا رات دن یہی شغل بلکہ ذریعۂ معاش ہے۔ امید ہے ان کے متعلق اظہار خیال کر کے فتویٰ صادر فرما کر ممنون فرمائینگے۔ گو مجملاً آپ ان سب کو کافر کہہ گئے ہیں مگر تصریح کے فوائد اس سے حاصل نہیں ہوئے لہذا مہربانی فرما کر اس نہایت اہم امر کے متعلق اپنے ارشاد گرامی سے مستفید فرمائیں ؛

زمانۂ فترت

سید صاحب فرماتے ہیں :۔ "خاتم النبیینؐ کے الفاظ پر اس لئے بھی بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ کہ حضورؐ کے بعد بعثت انبیاء کے انقطاع کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آج تک کوئی نبی مبعوث ہی نہیں ہوا۔"

معلوم ہوتا ہے۔ سید صاحب نے اس بات پر غور نہیں فرمایا۔ کہ زمانۂ فترت یعنے دو نبیوں کی بعثتوں کا درمیانی وقفہ بعض اوقات کئی کئی سو سال تک ممتد ہو جاتا ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے درمیان چھ سو سال کا وقفہ تسلیم کیا جاتا ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعویٰ نبوت پر نعوذ باللہ غور ہی نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد چھ سو سال تک کسی نبی کا مبعوث نہ ہونا ان کے بعد سلسلہ انبیاء کے انقطاع کی دلیل ہے ؛

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید نے زمانۂ فترت کی کوئی تحدید نہیں کی اور نہ ہی انبیاء کی صداقت کو پرکھنے کیلئے یہ معیار پیش کیا گیا ہے کہ مدعی نبوت سے پہلے نبی کو گذرے ہوئے اگر تھوڑا ہی عرصہ گذرا ہو تو اسکے دعویٰ پر غور کرنا چاہیئے۔ اور اگر دیر ہو گئی ہو تو یہ کہہ کر ٹالدینا چاہیئے کہ چونکہ تمہارا دعویٰ دیر سے ہوا ہے لہذا ہم تمہارے دعویٰ پر غور ہی نہیں کرتے کیونکہ تمہارا دیر سے آنا ہی اسبات کی دلیل ہے کہ اب نبی کی ضرورت نہیں۔ دراصل سید صاحب نے جسقدر دلائل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف پیش کئے

ہیں۔ وہ سب کسی اصل کے ماتحت نہیں۔ بلکہ محض خیالی ڈھکوسلے ہیں۔ اور وہ بھی ایسے جنہیں صرف سید صاحب ایسے اصحاب ہی صحیح مان سکتے ہیں۔

سید حبیب صاحب کی ساتویں دلیل کی حقیقت

سید صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نعوذ باللہ جھوٹے ہونے کی ساتویں دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"شائد تاریخ عالم میں مرزا صاحب کے سوا اور کوئی ایسی مثال موجود نہیں جس میں کسی نبی پر ایمان لانے والوں میں اپنے نبی کے دعویٰ نبوت کے متعلق اختلاف ہؤا ہو مرزا صاحب وہ واحد مدعی نبوت ہیں جنکے ادعائے نبوت کے متعلق تو انکے معتقدین میں اختلاف ہے۔ چنانچہ مرزا صاحب کے مریدوں کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ کا نام احمدی جماعت لاہور ہے اور دوسرا گروہ قادیانی کہلا رہا ہے .... میں ان دو جماعتوں کے اختلاف کی وجہ سے یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوں کہ مرزا صاحب متضاد باتیں فرما گئے لہذا انکی تحریک پر ایمان لانا خارج از بحث۔ پر ان کے تضاد پر انشاء اللہ جدا گانہ بحث بھی ہوگی"۔

سید صاحب کے اس سراسر غلط گمان کی بنیاد یا تو ناواقفیت پر ہو سکتی ہے یا عدم توجہ پر پہلی وجہ ممکن نہیں۔ کیونکہ سید صاحب کے متعلق یہ خیال نہیں کیا جا سکتا۔ کہ انہیں مذاہب کی تاریخ سے اس قدر بھی علم نہ ہو کہ دنیا میں ایسے مذاہب موجود ہیں جن کے بانیان کے دعاوی کے متعلق انکے معتقدین میں اختلاف ہؤا۔

حضرت مسیح کے دعویٰ کے متعلق اختلاف

دور جانے کی ضرورت نہیں۔ عیسائیت ہی کو دیکھ لیا جائے جس کے بانی کے دعویٰ کے متعلق انکے معتقدین کا اختلاف مشہور عالم ہے یونیٹیرین فرقہ حضرت مسیح علیہ السلام کو مسلمانوں کی طرح محض بشر رسول کی حیثیت دیتا ہے۔ لیکن پروٹسٹنٹ وغیرہ دیگر فرقے ان کو خدائی کا درجہ دیتے ہیں اور یہ کوئی چھپی ہوئی بات نہیں۔ بلکہ ایک ایسا واضح تاریخی واقعہ ہے جسے ہر شخص جو مذاہب عالم سے ذرا بھی واقفیت رکھتا ہو بخوبی جانتا ہے۔ لہذا سید صاحب کے متعلق حسن ظن کی بنا پر میری رائے

یہی ہے۔ کہ چونکہ آپ کی طبیعت کا رجحان ان مضامین کے لکھنے کے وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف دلائل تلاش کرنیکی طرف تھا۔ اس لئے آپ اپنے طبعی میلان کے ماتحت اسی رو میں بہ گئے۔ اور اصل حقائق کیطرف توجہ نہ دے سکے۔ بلکہ جوش میں ان سے بالکل ہی انکار کر دیا ورنہ یہ کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ کہ ایسا شخص جسے وقت کی ایک نہایت اہم مذہبی تحریک کے خلاف "ناقابل تردید دلائل" لکھنے کا دعوے ہو۔ وہ مذاہب کی تاریخ سے اتنا ناواقف ہو۔ کہ اسے واضح تاریخی حقائق کی بھی خبر نہ ہو۔ لہذا میرا کام اس موقعہ پر صرف یہی ہے۔ کہ میں سید صاحب کو انکی اس بے توجہگی سے جو لازمۂ بشریت ہے مطلع کر کے یہ عرض کر دوں۔ کہ آپ کا یہ خیال صحیح نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا اور کسی مدعی نبوت کے متعلق اسکے معتقدین کا اختلاف ثابت نہیں۔ لہذا اس خیال پر بنیاد رکھتے ہوئے آپنے جو یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ مدعی نبوت کے معتقدین کا اس کے دعویٰ کے متعلق اختلاف ظاہر کرتا ہے کہ وہ متضاد باتیں کہہ گیا ہے۔ خود بخود آپ کے مسلمات کے رو سے باطل ہے۔

انبیاء کی خصوصیات

علاوہ ازیں اگر بالفرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کے متعلق حضور کے متبعین کے اختلاف کی کوئی نظیر پہلے کسی نبی کے متبعین میں نہ بھی مل سکے۔ تو بھی سید صاحب کا یہ اعتراض اصولی طور پر درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر جزئی بات میں نبی سے یہ مطالبہ کرنا۔ کہ پہلے کسی نبی کی اس بارہ میں نظیر پیش کرو عقلاً صحیح نہیں ہو سکتا وجہ یہ کہ ہر نبی پر بعض ایسے حالات گزرے ہیں جو صرف اسکی ذات ہی سے مخصوص ہوتے ہیں مثلاً اگر کوئی شخص حضرت یوسف علیہ السلام کے اس خواب پر جس میں آپنے دیکھا۔ کہ چاند اور سورج اور ستارے آپ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ اعتراض کرتا ہؤا۔ کہ اس میں آپ نے نعوذ باللہ خدائی کا دعویٰ کیا ہے پہلے کسی نبی کے حالات سے اسکی نظیر کا مطالبہ کرے۔ یا ایک یہودی حضرت مسیح علیہ السلام کی بن باپ ولادت پر اعتراض کرتا ہؤا یہ مطالبہ کرے کہ جس وقت سے خدا تعالیٰ نے یہ قانون دنیا میں جاری کیا ہے۔ کہ انسانی پیدائش بذریعہ نطفہ ہو۔ کیا کبھی کوئی۔ ایسا نبی آیا ہے۔ جو بغیر باپ کے پیدا ہؤا ہو۔ یا اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہ مطالبہ کرے۔ کہ کیا کسی نبی نے اس سے پہلے بھی خاتم النبیین یا تمام انبیاء کا سردار ہونے کا دعوے کیا ہے؟ یا مطالبہ کرے کہ کیا حضور علیہ السلام سے پہلے کسی نبی نے اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کیا ہے۔ یا یہ مطالبہ کرے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ میں نے اپنے رب کو خوبصورت اور بے ریش

جوان کی شکل میں دیکھا ہے۔ کیا آپ سے پہلے بھی کسی نبی نے ایسا کہا ہے۔ یا اس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاء کی بعض دوسری خصوصیات کے متعلق نظیر کا مطالبہ کرے۔ تو یقیناً اس کا مطالبہ جائز نہ ہوگا۔

سابقہ نظیر کا مطالبہ درست نہیں

اگر ہم کسی خاص امر میں نظیر کے مطالبہ کو پورا بھی کر دیں تو بھی یہ سوال قابل غور رہ جاتا ہے۔ کہ اگر اس پہلے نبی سے جس کو ہم نے بطور نظیر پیش کیا ہے۔ اس کے زمانہ کے مخالفین نظیر کا مطالبہ کرتے تو وہ کیا جواب دیتا۔ اور اس طریق پر اگر چند مدارج تک نظیر مل بھی جائے۔ تب بھی ایک مقام ضرور ایسا تسلیم کرنا پڑے گا۔ جس پر نظیر کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔

پس ایسی صورت میں نظیر کی موجودگی انبیاء کی صداقت کا معیار کیونکر قرار دی جا سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے نظیر کو انبیاء کی صداقت کے لئے بطور اصل اور معیار پیش نہیں کیا۔ بلکہ جہاں کہیں نظیر کو پیش کیا ہے کسی اصل کی تائید میں بطور الزام خصم پیش کیا ہے۔ پس ہر جزئی بات میں نبی کی صداقت کو سابقہ نظیر پر موقوف قرار دینا صحیح نہیں +

سید حبیب صاحب کی آٹھویں دلیل کی حقیقت

سید صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نعوذ باللہ جھوٹے ہونے کی آٹھویں دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

”مرزا صاحب کی تحریک کے خلاف میری آٹھویں دلیل یہ ہے کہ مرزا صاحب مدعی نبوت ہیں اور خدائے اسلام نے نبوت کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ اس لئے کہ اس نے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک کامل دین دیا۔ اور اس دین کو ایک کتاب میں منضبط کر کے فرما دیا۔ کہ ہم نے اسے (قرآن کو) نازل کیا۔ اور ہم ہی اسکے محافظ ہیں۔ حضور امی لقب کے بعد اگر کوئی نبی آئے تو کیوں؟ اسکے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ نبی آئے گا (۱) اسلام کی تنسیخ کے لئے (۲) اسلام کی تردید کے لئے (۳) اسلام کی تکمیل کے لئے (۴) اسلام کی تشریح کے لئے۔ (۵) اسلام کی تفسیر کے لئے (۶) اسلام کی تصحیح کے لئے۔ میں ادب سے عرض کروں گا۔ کہ اسلام کی تردید

تنسیخ اور تکمیل تو خارج از امکان ہے۔ اور نہ مرزا صاحب کا دعویٰ ہی یہ ہے۔ کہ وہ ان اغراض سے آئے۔ لہذا ان پر بحث کرنا فضول ہے۔ قرآن اور اسلام مرادف ہیں۔ لہذا اسلام یا قرآن کی تشریح اور تفسیر کرنیوالوں کو اگر پیغمبر مان لیا جائے تو شاید ایسے پیغمبروں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہو چکی ہے اور ابھی کروڑوں مفسر اور شارح انشاء اللہ تعالیٰ پیدا ہو کر رہیں گے۔ پس ثابت ہوا کہ اسلام کو کسی جدید نبی کی ضرورت ہی نہیں۔ لہذا مرزا صاحب کا دعوئ نبوت ایک ایسا دعویٰ ہے جسکو کوئی سلیم العقل مسلمان تسلیم نہیں کر سکتا۔“ (قسط ہشتم)

ضرورت نبوت کی چھ شقیں

سید صاحب نے اس دلیل کو بیان کرتے ہوئے اپنی چھٹی دلیل ہی کا تھوڑے سے لفظی تغیر کے ساتھ اعادہ کر دیا ہے یعنی یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد چونکہ کوئی نبی نہیں آ سکتا اس لئے مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت قابل قبول نہیں۔ مگر میں اپنے مضمون کی گذشتہ قسط میں سید صاحب کے اس خیال کو تعلیم اسلام کی رو سے غلط ثابت کر چکا ہوں۔ ہاں اس دلیل کے بیان کرنے میں سید صاحب نے ایک جدت ضرور کی ہے۔ لہذا اسکے متعلق کچھ عرض کرنا ضروری ہے آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبوت کی ضرورت کو چھ شقوں میں تقسیم کیا ہے مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ آپ نے کس قرآنی آیت یا حدیث سے یہ استنباط کیا ہے اگر کہا جائے کہ سید صاحب نے محض اپنی عقل سے یہ استدلال کیا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ اس تحدید و تعیین کی عقلی وجہ کیا ہے۔ عقلاً تو نبوت کی اور بھی بہت سی اغراض ہو سکتی ہیں مثلاً دین کی تجدید مسلمانوں کی اندرونی اصلاح۔ مخالفین اسلام کے حملوں کا جواب۔ اور دنیا کے روحانی مفاسد کی اصلاح وغیرہ بہت سی شقیں نکل سکتی ہیں۔ جن کا استنباط قرآن مجید کی آیات اور بعض احادیث سے ہو سکتا ہے۔ پھر انکو چھ تک محدود اور منحصر کرنا کس دلیل کے ماتحت ہے؟

حق بر زبان جاری

دوسری بات قابل توجہ یہ ہے کہ ضرورت نبوت کی چھ شقوں میں سے اول الذکر تین کی سید صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات سے اس بنا پر نفی کی ہے کہ حضور نے ان اغراض کے ماتحت اپنی بعثت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور سب سے آخری شق کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات سے نفیاً یا اثباتاً تعلق ظاہر کرنا آپ بالکل بھول گئے۔

سید صاحب نے اپنے مضمون کی قسط سی و یکم اور سی و دوم میں اپنا سارا زور یہ بات ثابت کرنے میں صرف کر دیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض اسلامی احکام مثلاً جہاد کو منسوخ کیا ہے مگر یہاں آپ کی زبان پر حق جاری ہو گیا۔ اور آپ نے خود یہ تسلیم کر لیا ہے کہ حضور نے اسلام کی تنسیخ کا دعویٰ نہیں کیا تھا

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں ۔۔۔ زلیخا نے کیا خود پاکدامن ماہ کنعاں کا

کیا سید صاحب بتلا سکتے ہیں کہ آپکی تحریرات میں اس بین تضاد کا کیا باعث ہے؟

ضرورتِ نبوّت

اس سوال کا جواب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کی کیا ضرورت ہے میرے مضمون کی قسط دہم میں اجمالاً ذکر آچکا ہے۔ تفصیل اسکی یہ ہے۔ کہ یہ سوال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نہیں۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑتا ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے اپنے بعد مسیح موعود نبی اللہ کی آمد کی پیشگوئی فرما کر نبی کی ضرورت کو تسلیم کیا ہے۔ اب سید صاحب یا کسی اور شخص کو کیا حق ہے کہ وہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبی کی ضرورت نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس واضح ارشاد کے ہوتے ہوئے یہ کہتے چلے جانا کہ نبی کی ضرورت نہیں یہ حضور کے فرمان کی صریح مخالفت ہے جو ایک مسلمان اور مومن کی شان کے شایاں نہیں۔ یہ تو اپنی خواہشات اور خیالات کی پیروی ہے۔ خدا اور اسکے رسول کی اطاعت اس کا نام نہیں۔ پس اس امر پر غور کرو اور سوچو اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ تو مسیح موعودؑ کے کیوں منتظر ہو۔ اور ان احادیث صحیحہ کو کیا کرو گے جنمیں امتِ محمدیہ کے موعود مسیح کو نبی اللہ کہا گیا۔ یہی ایک نکتہ ہے جس سے ختم نبوت کا مسئلہ بڑی آسانی سے حل ہو سکتا ہے یہ علیحدہ سوال ہے کہ وہ مسیح موعود کون ہے اور کہاں آئیگا۔ آیا ہمارے خیال کے مطابق بروئے ارشاد نبوی (اماماکم منکم) امت محمدیہ میں سے پیدا ہوگا۔ یا ہمارے غیر احمدی دوستوں کے زعم باطل کے بموجب اسرائیلی مسیح آئے گا مگر یہ تو بہرحال مسلّم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبی آئے گا۔ اور اسکی ضرورت ہے۔ بعض لوگ اپنی کوتاہ فہمی سے یہی رٹ لگائے چلے جاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی کیسے اور کیونکر آسکتا ہے مگر وہ یہ نہیں سوچتے۔ کہ نبی بنانا ان کا کام نہیں۔ یہ تو خدا کا کام ہے جب اُس نے اپنے نبی صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ یہ خبر دی۔ کہ نبوت کی ضرورت ہے اور نبی آسکتا ہے تو اسے غیر ممکن خیال کرنا کسی ایسے شخص ہی کا کام ہو سکتا ہے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت پر شبہ ہو۔

نبی کیوں آتا ہے؟

پھر یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ انبیاء کی بعثت کی ضرورت کیا ہوتی ہے۔ اس کا جواب قرآن مجید کی روشنی میں بھی دیا جا سکتا ہے۔ کہ انبیاء کی بعثت کی اوّلین غرض اصلاح خلق ہے۔ سارا قرآن مجید اسی تذکرہ سے پُر ہے کہ جب کوئی قوم خراب ہوگئی۔ اور اس میں روحانی نقائص پیدا ہوگئے۔ تو اس کی اصلاح کے لئے خدا تعالےٰ نے نبی بھیجے۔ اب جو لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت

کی ضرورت کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ بتلائیں۔ کہ دنیا پہلے سے روحانی اور اخلاقی طور پر ترقی کیطرف جارہی ہے۔ یا تنزل کی طرف۔ اگر اس کا جواب یہی ہے۔ اور اسکے سوا اور ہو بھی کیا سکتا ہے کہ دنیا روحانی اور اخلاقی طور پر تنزل اور پستی کیطرف جارہی ہے۔ جس کی وجہ دہریت کی ترقی ہے۔ تو پھر بھی یہ کہنا۔ کہ نبی کی اب ضرورت نہیں۔ انتہائی کور چشمی نہیں۔ تو اور کیا ہے؟ کیا جب ایک طرف دنیا مادیت کے زہریلے اثر کے ماتحت خدا تعالیٰ کے وجود سے بھی انکار کر رہی ہو۔ کسی ایسے وجود کی ضرورت نہیں۔ جو دنیا کو خدا تعالیٰ کی طرف لائے۔ ایسا خیال تو وہی شخص کر سکتا ہے۔ جس کے دل میں شمہ بھر بھی خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایمان باقی نہ رہ گیا ہو۔ پس یہ خوب یاد رکھو۔ کہ جبتک گمراہی اور ضلالت دنیا میں باقی ہے۔ خدا تعالیٰ کیطرف سے مصلحین اور انبیاء کی آمد کا سلسلہ جاری ہے۔ ہاں یہ ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کہ قرآن مجید چونکہ مکمل شریعت ہے۔ اور اس کی حفاظت کا وعدہ خدا تعالیٰ نے کیا ہے۔ اسلئے اسمیں قیامت تک کوئی ترمیم یا تنسیخ نہیں ہو سکتی۔ لیکن چونکہ انسانی نفوس ناقص ہیں۔ اور وہ ہر زمانہ میں کسی ایسے جگانیوالے کے محتاج ہیں۔ جو الٰہی صور اور قرنا کا حکم رکھتا ہو۔ لہذا اس غرض اور ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ہر زمانہ میں خدا تعالےٰ کے نبی آتے رہینگے۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہیگا۔

پس ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کی ضرورت تکمیل اسلام نہیں مانتے بلکہ تکمیل نفوس انسانی مانتے ہیں ❊

مسیح موعودؑ کے متعلق رسُول کریمؐ کے ارشادات

کاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کی ضرورت کا سوال کرنیوالے حضور علیہ السلام کے ان ارشادات ہی کو دیکھ لیتے۔ جنمیں آپؐ نے مسیح موعودؑ کی آمد کی ضرورت کو بیان فرمایا ہے۔ تو انکو وہیں اس سوال کا جواب مل جاتا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسیح موعودؑ کی بعثت کے زمانہ کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا:۔

يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ وَلَا يَبْقَى مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا رَسْمُهُ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدَىٰ عُلَمَاءُهُمْ شَرٌّ مَنْ تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ (مشکوٰۃ کتاب العلم) یعنی ایک زمانہ آنیوالا ہے جبکہ اسلام کا فقط نام اور قرآن محض کاغذوں میں لکھا ہوا رہ جائیگا۔ مسلمانوں کی مسجدیں آباد ہونگی مگر ہدایت سے خالی۔ ان کے علماء تختہ زمین پر بدترین مخلوق ہونگے۔

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک صحابی رضؓ نے دریافت کیا۔ کَیْفَ یَذْھَبُ الْعِلْمُ وَنَحْنُ نَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَنُقْرِئُہٗ اَبْنَاءَنَا اَبْنَاءَھُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ فَقَالَ اَوَلَیْسَ ھٰذِہِ الْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی یَقْرَءُوْنَ التَّوْرَاۃَ وَالْاِنْجِیْلَ لَا یَعْمَلُوْنَ بِشَیْءٍ مِمَّا فِیْھِمَا (مشکوٰۃ کتاب العلم)

یعنی علم کیسے اٹھ جائیگا۔ حالانکہ ہم قرآن مجید پڑھ رہے ہیں۔ اور اپنے بیٹوں کو پڑھا رہے ہیں۔ اور ہمارے بیٹے آگے اپنے بیٹوں کو پڑھائیں گے۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہیگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ کیا یہود و نصاریٰ توریت و انجیل نہیں پڑھتے۔ مگر باوجود اس کے وہ ان کے احکام پر نہیں چلتے۔

اسی طرح ایک تیسری حدیث میں فرمایا:۔ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰی لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوْھُمْ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی قَالَ فَمَنْ (مشکوٰۃ باب تغیر الناس)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ضرور تم پیروی کروگے پہلے لوگوں کی پوری پوری یہاں تک کہ اگر وہ سوسمار کے بل میں داخل ہوئے۔ تو تم بھی داخل ہوگے۔ دریافت کیا گیا یا رسول اللہ پہلے لوگوں سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اور کون؟

ان تمام احادیث سے ظاہر ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمت محمدیہ پر ایک ایسا وقت آنیکی پیشگوئی فرمائی ہے۔ جبکہ مسلمانوں کی روحانی حالت اس حد تک گر جائیگی۔ کہ وہ یہود و نصاریٰ کے مشابہ ہو جائینگے۔ ان کے پاس قرآن مجید تو موجود ہوگا۔ مگر اسکی تعلیم پر عمل نہیں کرینگے۔ غرضکہ ان کی حالت ایسی ہو جائیگی۔ گویا ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہی نہیں ہوئے۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ علماء کی حالت بھی انتہائی طور پر گر جائیگی۔ ایسے وقت میں مسیح موعود ظہور کریگا۔ جو فارسی النسل ہوگا۔ اور وہ ایمان کو دوبارہ ثریا سے واپس لائیگا۔ چنانچہ فرمایا:۔ لَوْ کَانَ الدِّیْنُ عِنْدَ الثُّرَیَّا لَتَنَاوَلَہٗ رِجَالٌ مِّنَ الْفُرْسِ (ترمذی)

پس مسیح موعودؑ کا سب سے بڑا کام یہ ہے۔ کہ وہ مسلمانوں کی اندرونی اصلاح کرے گا۔ اور ان میں حقیقی ایمانی روح پیدا کریگا۔ جس سے وہ خالی ہو چکے ہوں گے۔ اور یہ کام علماء سے نہیں ہو سکیگا کیونکہ وہ خود قابل اصلاح ہونگے۔ لہذا خدا تعالیٰ ایک نبی برپا کریگا۔ جو اس کام کو سرانجام دیگا۔

موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کی حالت

اس جگہ مجھے یہ ثابت کرنے کیلئے کہ یہی وہ زمانہ ہے جس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مندرجہ بالا پیشگوئیاں فرمائی تھیں مسلمان

لیڈروں کے وہ اقوال اور مسلمان جرائد کے ایسے اقتباسات نقل کرنیکی ضرورت نہیں۔ جن میں انہوں نے تسلیم کیا ہے۔ کہ اس زمانہ کے مسلمان ان پیشگوئیوں کے صحیح مصداق بن چکے ہیں۔ کیونکہ اب یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے۔ جس سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ اور انکار ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ جبکہ ہر شخص اسکو بچشم خود مشاہدہ کر رہا ہے۔ البتہ ایک بات کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ مسلمانوں کی موجودہ تباہ حالی اور رُوحانی مردنی کا احساس جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے قبل پایا جاتا تھا۔ ویسے ہی اب بھی یہ احساس پایا جاتا ہے۔ مگر فرق یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد سے قبل مسلمانوں کو اس احساس کے ساتھ ایک امید کی جھلک نظر آتی ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق اس انتظار میں تھے۔ کہ مسیح موعودؑ آکر ہماری اس حالت کا مداوا کریگا۔ لیکن جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام نے الٰہی حکم کے ماتحت مسیح موعودؑ ہونیکا دعویٰ کیا۔ تو آپ کا انکار کر دیا گیا۔ اور یہ کہا گیا۔ کہ آنیوالا تو آسمان سے آئیگا۔ لیکن جب انہیں بتلایا گیا۔ کہ قرآن مجید اور احادیث کی رو سے کسی کا آسمان پر جسم عنصری کے ساتھ زندہ جانا ثابت نہیں۔ تو اب مولوی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کو پس پشت ڈالکر عموماً یہ کہنے لگ گئے ہیں۔ کہ مسیح موعودؑ کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ اگر وہ آئیگا۔ تو ہماری طرف نہیں۔ بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں کیطرف آئیگا۔ دراصل ایک موہوم چیز کا انتظار جب حد سے بڑھ جاتا ہے۔ تو اسکا لازمی نتیجہ مایوسی ہوتی ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نہ ماننے والے اسی ناامیدی اور یاس کا شکار ہو رہے ہیں۔ کاش ہمارے دوست اب بھی آنکھیں کھولیں۔ اور آیت۔ وَکَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَلَمَّا جَاءَھُمْ مَّا عَرَفُوْا کَفَرُوْا بِہٖ کے مصداق نہ بنیں۔

مسیح موعودؑ کے اور کام

احادیث میں مسیح موعودؑ کے اور بھی بہت سے کام اور اغراض بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ حَکَمًا عَدْلًا فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ (مشکوٰۃ باب نزول عیسٰی ابن مریم)

یعنی مسیح موعود حکم عدل ہو کر آئیگا۔ اور وہ صلیب کو توڑیگا۔ اسمیں بتلایا۔ کہ وہ امت محمدیہ میں شدید اختلافات کیوقت ظاہر ہوگا۔ اور انکے اختلافات کا الہام الٰہی کی روشنی میں فیصلہ کریگا۔ اور یہ کہ وہ صلیبی فتنہ کے ظہور کیوقت آئیگا۔ اور اسکا دلائل سے ابطال کریگا۔ پھر مسیح موعود کا ایک یہ کام بھی بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ دجال کو قتل کریگا۔ جس سے مراد یہ ہے۔ کہ وہ ان مخالفین کا جو قسم قسم کے دجل اور

فریب سے کام لیکر اسلام پر حملے کریں گے۔ جواب دیگا ؛

ضرورت حَکَم

سید صاحب نے اپنے مضمون کی قسط بست ونہم وقسط سوم میں اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ کہ امت محمدیہ میں علماء کا بہت سے اسلامی مسائل میں اختلاف ہے۔ اور اس کے علاوہ قرآن کریم کی بہت سی آیات کی تفسیر میں بھی مفسروں کے باہمی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ان اختلافات کو دور کرنے کیلئے کسی حَکَم کی ضرورت نہیں۔ اور کیا ان اختلافات کو کوئی عالم اور مفسر دُور کر سکتا ہے ؟

ان دونوں سوالوں کا جواب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشاد کی روشنی میں یہ ہے کہ ان اختلافات کو دُور کرنے کیلئے کسی فیصلہ کرنیوالے حَکَم کی ضرورت ہے۔ اور وہ حکم دوسرے مفسرین اور علماء کیطرح محض مفسر اور دنیاوی عالم ہی نہیں۔ بلکہ کوئی ایسا شخص ہوگا جس کا خدا تعالیٰ کے ساتھ براہ راست تعلق ہوگا۔ اور اس کے مکالمہ ومخاطبہ سے مشرف ہوگا۔ کیونکہ اگر مفسرین کے اختلافات کو دور کرنے کیلئے انہی جیسا ایک عالم اور مفسر حکم ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ تم کو ہم پر کسی بات میں فوقیت حاصل نہیں۔ جیسے ہم عالم ہیں ویسے ہی تم بھی ہو۔ لہذا ہمارے تنازعات اور اختلافات میں تمہاری بات کو کس وجہ سے ترجیح دیجائے کہ اسے فیصلہ کن سمجھا جائے۔ پس اگر وہ بھی صرف ونحو وغیرہ ظاہری علوم پر اپنے فیصلہ کی بنیاد رکھے۔ تو جن علماء اور مفسرین کے اختلافات کا وہ فیصلہ کریگا۔ وہ کہہ سکینگے۔ کہ جیسے ہم تمہارے نزدیک غلطی پر ہیں۔ ویسے ہی تم بھی غلطی کر سکتے ہو۔ اور عقل بھی یہی فتویٰ دیتی ہے۔ کہ جبتک حکم کی ذات میں کوئی امر مابہ الامتیاز نہ ہو۔ جس کی رو سے وہ دوسروں پر نمایاں فوقیت رکھتا ہو، تب تک وہ حَکَم بننے کا اہل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسی لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسیح موعودؑ کو نبی اللہ کہہ کر پکارا ہے۔ یعنی وہ خدا تعالیٰ کے مکالمہ ومخاطبہ سے مشرف ہو کر حکم کے فرائض سر انجام دیگا۔ اور اس کا فیصلہ قطعی ہوگا۔ پس امت محمدیہ میں علما کا اسلامی مسائل اور قرآنی آیات کی تفسیر میں اختلاف ایک حکم کا متقاضی ہے۔ اور قرآن مجید کی حفاظت کا جو وعدہ خدا تعالیٰ نے کیا ہے۔ اس سے بھی اس پر ایک حد تک روشنی پڑتی ہے۔ کیونکہ محض الفاظ کی حفاظت کوئی چیز نہیں۔ جبتک معانی کی حفاظت کا بھی خدا تعالیٰ نے سامان نہ کیا ہو۔ یہ وہ کام ہیں جو مسیح موعودؑ کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقرر کئے تھے۔ اور ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ ضروریات بیان فرمائی ہیں۔ جو حضورؐ کے بعد ایک نبی کی بعثت کی متقاضی ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اصل دعویٰ مسیح موعود ہونیکا ہے۔ لہذا آپؑ کی نبوت کی ضرورت اور غرض وہی ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسیح موعودؑ کی نبوت کی بیان فرمائی تھی ؛

سید حبیب صاحب اور غیر مبائعین

”پیغام صلح“ کے حملے

سید صاحب نے اپنے مضمون کی قسط ہشتم کے آخری حصہ اور قسط نہم میں پہلے مولوی محمدؐ علی صاحب کی وہ ابتدائی تحریریں پیش کی ۔۔۔۔ ہیں۔ جنمیں مولوی صاحب موصوف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی قرار دیتے رہے ہیں۔ اس کے بعد قسط دہم اور یازدہم میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ تحریریں پیش کی ہیں۔ جنمیں حضور علیہ السلام نے دعویٰ نبوت کیا۔ اور انکا جواب غیر مبائع حضرات سے طلب کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ وہ ان تحریروں کی اپنے اس موجودہ عقیدہ سے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ مطابقت کر کے دکھائیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مولوی محمدؐ علی صاحب کی تحریرات کی تاویل پیش کریں۔ سید صاحب کے مضمون کے اس حصہ کا براہ راست ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اور اس وجہ سے میرا قطعاً یہ ارادہ نہ تھا۔ کہ اسکے متعلق اظہار خیال کروں۔ کیونکہ سید صاحب نے اسمیں جس گروہ کو مخاطب کر کے اپنے نقطہ خیال کی وضاحت کی دعوت دی ہے۔ اسی کا حق تھا۔ کہ وہ اس کا جواب دے۔ لہذا ایسی صورت میں ہماری طرف سے اسمیں دخل دینا چنداں ضروری نہ تھا لیکن ”پیغام صلح“ میں سید صاحب کے مضمون کے اس حصہ کا جو جواب شائع ہو رہا ہے۔ اس میں مضمون نگار صاحب نے خواہ مخواہ بلا تعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اور حضورؓ کی جماعت کا نہایت نازیبا الفاظ میں ذکر کر کے حملے کئے ہیں۔ لہذا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس طرح جو غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کیگئی ہے۔ اس کا سدباب کرنے کے لئے ”پیغام صلح“ میں اس ضمن میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس پر برعایت اختصار کسی قدر اظہار خیال کیا جائے ؛

مولوی محمدؐ علی صاحب کی ناکامی

مولوی محمدؐ علی صاحب نے غیر احمدیوں کو اپنے قریب لانے بلکہ حق یہ ہے۔ کہ خود ان کے قریب

ہونے کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں افتراق کی بنیاد رکھی۔ اور حضورؑ کے صریح ارشادات کی ناقابل قبول تاویلات کی بنا پر ۱۹۱۴ء کے بعد اپنے سابقہ مسلک کو خیرباد کہتے ہوئے جب یہ اعلان کیا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعویٰ نبوت نہیں کیا اور غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھنا اور انہیں لڑکیاں دینا جائز ہے۔ نیز یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ ماننے والے کافر نہیں۔ تو آپکا اسوقت یہ خیال تھا۔ کہ اسطرح آپ غیر احمدیوں میں ہر دلعزیزی حاصل کر لینگے۔ اور لوگوں کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مجدد ماننے میں کوئی عذر نہ رہیگا۔ اسطرح آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رتبہ اور مقام کو کم کر کے مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت کو اپنی طرف کھینچ لیں گے۔ مگر افسوس کہ مولوی صاحب کی یہ تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ آپکی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں۔ اور انکی حقیقت ایک سراب سے زیادہ ثابت نہ ہوئی۔

مولوی محمدؐ علی صاحب کو کیا ملا؟

مولوی محمدؐ علی صاحب موصوف نہ اپنی اختلاف سے پیشتر کی تحریرات اور نہ ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مسئلہ نبوت اور تکفیر غیر احمدیاں وغیرہ مسائل میں واضح تحریرات کی کوئی معقول تاویل پیش کر سکے۔ اسی لئے جماعت احمدیہ میں سے سوائے چند نفوس کے جنکی طبائع کا رجحان مولوی صاحب کے اس میلان سے کہ غیر احمدیوں کا قرب حاصل کرنا چاہیئے موافق تھا۔ کوئی آپکے ساتھ نہ ہوا۔ اور آپنے لاہور میں جا کر ہر دلعزیزی کے اس نسخہ کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔ موقعہ بے موقعہ اور جا بیجا یہ کہنے لگے۔ کہ "جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد" "قادیانی جماعت" کے عقائد سے بالکل مختلف اور جداگانہ ہیں۔ لہذا اگر کسی کو برا بھلا کہنا ہو تو اپنا روئے سخن قادیانیوں کی طرف رکھے۔ اور ہمیں اپنی طعن و تشنیع کا نشانہ بنائے۔ بلکہ بعض مواقع پر تو جماعت احمدیہ کے خلاف لوگوں کو سخت اکسایا بھی گیا۔ مگر وائے قسمت کہ مولوی صاحب کو اس طرح خاک چھانتے ہوئے آج بیس سال کا عرصہ گزر گیا۔ لیکن اُن کے غیر احمدی دوستوں کو آجتک یہ یقین نہ آیا۔ کہ آپ دل سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی نہیں مانتے۔ یا یہ کہ غیر احمدیوں کو کافر نہیں سمجھتے۔ اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان کی طرف سے آپ کو تقیہ باز اور منافق وغیرہ کے خطابات دیئے گئے۔ ہر نیا روز آپکے لئے محرومی کا پیغام لایا۔ اور منزل مقصود دُور سے دُور تر ہوتی چلی گئی۔ اور آپکو یہ معلوم ہو گیا۔ کہ حق و صداقت چھوڑ کر نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ع

میرے پہلو سے گیا یا لا ستمگر سے پڑا
مل گئی اے دل تجھے کفران نعمت کی سزا

مولوی محمدؐ علی صاحب سید حبیب صاحب کی نظر میں

سید حبیب صاحب نے مولوی صاحب موصوف کی اُن تحریرات کے علاوہ جنمیں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی اور رسُول مانا ہے۔ اپنے بعض ذاتی تجربات بھی لکھے ہیں۔ جن سے انہوں نے ثابت کیا ہے۔ کہ مولوی محمدؐ علی صاحب گو ظاہر یہ کرتے ہیں۔ کہ وہ مکفر غیر احمدیوں کے سوا باقی مسلمانوں کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ مگر واقعات یہ ہیں۔ کہ مولوی صاحب ایسا نہیں کرتے۔ چنانچہ سید صاحب اپنے مضمون کی قسط نہم میں لکھتے ہیں :-

"مولوی محمدؐ علی صاحب نے پچھلے دنوں اپنی جماعت کے عقائد کے متعلق ایک اعلان لاکھوں کی تعداد میں شائع کیا تھا۔ جس میں لکھا تھا۔ کہ ہم مکفر مسلمانوں کے سوا سب کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ میں ذاتی تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں۔ کہ مولوی محمدؐ علی صاحب کی جماعت کے آدمی کسی غیر احمدی مسلمان کے پیچھے نماز ادا نہیں کرتے۔ میں خود اس غلط فہمی میں مبتلا تھا۔ کہ مولوی محمدؐ علی صاحب کی جماعت کے دوست مسلمانوں کو کافر نہیں کہتے۔ اور وہ مسلمانوں کے پیچھے نماز ادا کر لیتے ہیں۔ اس لئے میں نے تین مختلف مواقع پر مولوی صاحب کے پیچھے نماز ادا کی۔ لیکن ایک دفعہ جب یہ بحث چھڑی۔ تو مولوی صاحب نے کہا۔ کہ ہم تو سید حبیب صاحب کے پیچھے نماز پڑھنے کو تیار ہیں۔ لیکن پھر خود ہی فرمایا۔ کہ ہم سمجھ لیتے ہیں۔ کہ ایک نماز نہیں ہوئی۔ اس ایک فقرہ نے وہ کام کیا۔ جو ہزاروں دلیلیں اور لاکھوں تحریریں نہ کر سکیں۔ میری آنکھوں کے سامنے سے وہ پردہ ہٹ گیا۔ اور میں نے تینوں نمازیں دہرائیں۔ اور توبہ کی"۔

مولوی محمدؐ علی صاحب کا جواب

اسکے جواب میں مولوی صاحب نے ایک خط ڈلہوزی سے سید صاحب کو لکھا۔ جو سیاست مورخہ ۱۲ر جولائی ۱۹۳۳ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اس میں آپ نے واقعہ کی صحت کا تو اقرار کیا۔ مگر اپنے الفاظ کی تاویل کرتے ہوئے لکھا۔ کہ یہ الفاظ مذاقیہ رنگ میں کہے گئے تھے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں :-

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ میرے الفاظ کا ہرگز وہ منشاء نہ تھا۔ جو آپنے اپنے اخبار میں

پیش کیا ہے۔ بلکہ آپ کی مذاقیہ بات کے جواب میں میں نے بھی مذاقیہ طور پر ہی وہ الفاظ کہے تھے میں اگر آپکو دھوکہ بھی دے لوں۔ تو اپنی جماعت کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ اور آپ کا یہ خیال غلط ہے۔ کہ ہم لوگ صرف منہ سے یہ کہتے ہیں۔ کہ ہم اس شخص کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ جو حضرت مرزا صاحب کو کافر نہ کہتا ہو۔ اور فی الواقعہ ایسا نہیں کرتے۔ یہ ہماری جماعت کا مسلمہ فیصلہ ہے۔ اور دوسرے دوستوں کے علاوہ میں نے خود ایسا کیا ہے۔ اور اگر آپ پسند کریں۔ تو جب چاہیں لاہور میں ایک اجتماع کسی نماز کیوقت کریں۔ میں بھی اپنی جماعت کے ساتھ اس اجتماع میں شامل ہونگا۔ اور جو شخص اس مجمع میں سے اعلان کر دے۔ کہ وہ حضرت مرزا صاحب کو مسلمان سمجھتا ہے۔ کافر نہیں کہتا۔ اور کسی کلمہ گو کی تکفیر نہیں کرتا۔ میں اپنی ساری جماعت کے ساتھ اس کے پیچھے نماز ادا کرونگا۔ اور یہ بھی دریافت نہیں کرونگا۔ کہ وہ اہلسنت میں سے ہے۔ یا اہل تشیع میں سے۔ مقلد ہے یا غیر مقلد۔ حنفی ہے یا شافعی یا حنبلی آمین کس طرح کہتا ہے۔ ہاتھ کہاں باندھتا ہے یا کھلے ہی چھوڑتا ہے۔ اگر آپ اس طریق فیصلہ پر راضی ہیں۔ تو صرف ایک لاہور نہیں۔ پنجاب کے ہر بڑے شہر میں آپ میرے ساتھ چلیں۔ اور میں اسی طرح اپنی جماعت کے ساتھ غیر مکفر کے پیچھے نماز پڑھنے کا عملی ثبوت دینے کیلئے تیار ہوں۔"

ناظرین مولوی صاحب کی دریا دلی اور وسعت قلبی ملاحظہ فرمائیں۔ کہ وہ کسطرح تلافی مافات کیلئے تیار ہیں۔ مگر سید صاحب ہیں۔ کہ انہیں یقین ہی نہیں آتا۔ کہ آپ دل سے یہ باتیں کہہ رہے ہیں۔ چنانچہ سید صاحب اس خط کو شائع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"مولانا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر اپنے حافظہ پر زور ڈالیں گے۔ تو انہیں معلوم ہوگا۔ کہ ان واقعات کی ترتیب میں ان سے غلطی ہوئی ہے۔"

میں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ کہ اس جھگڑے میں فریقین میں سے کون حق پر ہے۔ کیونکہ یہ میرا کام اور منصب نہیں۔ مگر اس واقعہ سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مولوی محمد علی صاحب اور انکی جماعت جن لوگوں کو خوش کرنا چاہتی ہے۔ انہیں خوش کرنے میں وہ کامیاب نہیں ہوئی۔ ع

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم ☆ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

مولوی محمد علی صاحب اپنے فیصلہ کے خلاف

مولوی محمد علی صاحب نے اپنے مذکورہ بالا خط میں ایک عجیب بات یہ لکھی ہے۔ کہ آپ لاہور یا پنجاب کے کسی دوسرے بڑے شہر میں جہاں سید صاحب پسند فرمائیں۔ غیر مکفر غیر احمدیوں کے پیچھے اپنی ساری جماعت سمیت نماز پڑھنے کیلئے تیار ہیں۔ اور یہ آپ کی جماعت کا "مسلمہ فیصلہ" ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ مولوی صاحب کا یہ ارشاد کہاں تک صداقت پر مبنی ہے۔ اگر مولوی صاحب موصوف اور آپ کی جماعت کے آج سے انیس سال پیشتر کے فیصلے دیکھے جائیں۔ تو وہاں ہمیں اس کے برعکس ایک فیصلہ نظر آتا ہے۔ جس میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں۔ کہ ہندوستان میں کسی غیر احمدی کے پیچھے خواہ وہ مکفر ہو یا نہ۔ نماز پڑھنی جائز نہیں۔ چنانچہ پیغام صلح جلد اول نمبر ۱ میں اختلاف کے معاً بعد جو سب سے پہلی مجلس شورےٰ جناب مولوی محمد علی صاحب اور آپ کے ہمخیالوں کی ہوئی۔ اسکی روئداد چھپ چکی ہے۔ اس میں زیر عنوان "روئداد جلسہ شوریٰ" لکھا ہے:۔

"سب سے پہلے مولوی حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی نے یہ اعتراض کیا۔ کہ حافظ روشن علی صاحب مولوی محمد علی صاحب پر دو اعتراض کرتے ہیں۔ اول یہ کہ وہ غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ قل اللہ ثم ذرھم کا ترجمہ اللہ منوا کر چھوڑ دو۔ غلط کیا ہے۔ پس ایسا شخص کیونکر قابل اعتبار ہو سکتا ہے۔ اسکے جواب میں مولوی محمد علی صاحب نے بیان کیا۔ کہ میں غیر احمدی مسلمانوں کے پیچھے نماز کو صرف ان ممالک میں جائز سمجھتا ہوں۔ (اور حضرت خلیفۃ المسیح اؑ کے کھلے فتویٰ اور احمدی جماعت کے گذشتہ چار پانچ سال کے عمل درآمد کے مطابق جائز سمجھتا ہوں) جہاں غیر احمدیوں کی طرف سے احمدیوں پر کفر کا فتویٰ نہیں۔"

پیغامی مجلس شوریٰ کے اس فیصلہ سے یہ ظاہر ہے۔ کہ ان کے نزدیک ہندوستان میں کسی غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں۔ مگر آج مولوی محمد علی صاحب فرما رہے ہیں۔ کہ ہم پنجاب کے ہر بڑے شہر میں غیر احمدیوں کے پیچھے بشرطیکہ وہ مکفر نہ ہوں۔ نماز ادا کرنے کیلئے تیار ہیں۔ اور یہی ہمارا مسلمہ فیصلہ ہے۔ ع

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

ایک عقلمند انسان تو ان دونوں متضاد فتووں کو دیکھکر حیران رہ جاتا ہے۔ مگر مولوی صاحب اور آپکی جماعت کو چونکہ موقعہ کے مناسب عقائد میں تبدیلی پیدا کر لینے کی عادت ہے۔ اسلئے ان کے لئے شائد یہ معمولی بات ہو:۔

مولوی محمد علی صاحب کی سابقہ تحریریں

مولوی صاحب کی وہ تحریریں جنمیں آپ موجودہ اختلاف سے پیشتر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے صریح طور پر نبی اور رسول کے الفاظ استعمال کرتے رہے ہیں ناقابل تاویل ہیں۔ اور مولوی صاحب اور آپکی جماعت کے سامنے یہ ایک نہایت مشکل اور ناقابل حل سوال ہے۔ جس کا معقول جواب آجتک انکی طرف سے پیش نہیں کیا گیا۔ ان کیلئے یہ آسان راستہ کھلا تھا۔ کہ نہایت صفائی سے

اعلان کر دیتے کہ اختلاف سے پیشتر انہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کو سمجھنے میں غلطی لگی تھی۔ اب غور و فکر کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کے متعلق پہلے جو کچھ لکھا گیا تھا۔ وہ صحیح نہ تھا۔ ایسا اعلان ہو جانے کے بعد آپ کی پوزیشن بالکل صاف ہو جاتی۔ اور آپکی تبدیلیٔ عقیدہ پر اعتراض کرنیوالوں کا مونہہ ہمیشہ کیلئے بند ہو جاتا۔ کیونکہ ہر شخص یہ سمجھتا ہے۔ کہ بسا اوقات ایک انسان ایک فیصلہ میں غلطی کرتا ہے۔ مگر بعد میں اسکی اصلاح کر لیتا ہے۔ اور ہزاروں علماء کا اپنے خیالات سے رجوع ثابت ہے۔ لہذا مولوی صاحب بھی اگر سابقہ عقیدہ سے رجوع کر لیتے۔ تو کوئی شخص اس لحاظ سے معترض نہ ہوتا۔ مگر مولوی صاحب نہ ایسا اعلان کرتے ہیں۔ اور نہ یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ آپ کی تحریروں میں تضاد ہے۔ اسلئے جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ پر بحث کرتے ہوئے آپ کی سابقہ تحریرات پیش کی جاتی ہیں۔ تو ان کے اور ان کے ساتھیوں کیلئے نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کا معاملہ ہوتا ہے :۔

سراسر غلط تاویل

چنانچہ سید حبیب صاحب کے مضامین کا جو جواب پیغام صلح میں شائع ہو رہا ہے۔ اسمیں مولوی محمد علی صاحب کی ان تحریروں کی یہ عجیب و غریب اور مضحکہ خیز تاویل کیگئی ہے۔ کہ مولوی صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے یہ الفاظ مجازی یعنی محدث کے معنوں میں استعمال کئے ہیں۔ اور اسکا ثبوت دیتے ہوئے لکھا ہے "اسی ریویو آف ریلیجنز میں ذیل کی تحریر بھی موجود ہے۔ جو صاف بتاتی ہے۔ کہ لفظ نبی کا استعمال اپنے حقیقی معنے یا شرعی اصطلاح میں نہیں کیا گیا۔ بلکہ لغوی معنے میں اور مجازی طور پر کیا ہے۔ اگر باب نبوت مسدود نہ ہوتا۔ تو محدث اپنے وجود میں قوت اور استعداد نبی ہو جانے کی رکھتا ہے اور اس قوت اور استعداد کے لحاظ سے محدث کا حمل نبی پر جائز ہے یعنی یہ کہہ سکتے ہیں۔ "المحدث نبی"۔ (ریویو آف ریلیجنز جلد ۳ صـ ۱۱۷) دریہی درست ہے۔ اگرچہ نبی تو نہیں۔ مگر نبیوں کی مانند خدا تعالےٰ سے ہمکلام ہو جاتے ہیں۔ اور اگرچہ رسول نہیں مگر رسولوں کی مانند خدا تعالےٰ کے روشن نشان ان کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں۔" (ریویو آف ریلیجنز جلد ۳ صـ ۱۳۱)

یہ تاویل کرنے میں "پیغام صلح" کے مضمون نگار نے یا تو عملاً دھوکہ دہی سے کام لیا ہے۔ یا ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس نے ریویو آف ریلیجنز کے یہ دونوں حوالے خود نہیں دیکھے۔ اور محض لاعلمی اور ناواقفیت کی بناء پر ایک ایسی بات لکھدی ہے جسکی کوئی حقیقت نہیں۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ ریویو آف ریلیجنز کی جلد ۳ میں صـ ۱۱۵ سے صـ ۱۳۱ تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب آئینہ کمالات اسلام سے جو ۱۸۹۳ء کی مطبوعہ ہے مضمون نقل کیا گیا ہے۔ اور یہ الفاظ درحقیقت حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے ہیں۔

جو حضور نے نبوت کی تعریف کے متعلق اپنے خیال کی تبدیلی سے پیشتر تحریر فرمائے تھے۔ چنانچہ یہ دونوں حوالے مولوی محمد علی صاحب نے اپنی کتاب النبوۃ فی الاسلام کے ضمیمہ صـ ۱۸۱، ۲۴۲ میں آئینہ کمالات اسلام کے حوالے سے درج کئے ہیں۔ پس اگر یہ الفاظ مولوی محمد علی صاحب کے اپنے ہوتے۔ تو بیشک "پیغام صلح" کے مضمون نگار کی یہ تاویل کہ مولوی صاحب کی تحریرات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیلئے لفظ نبی اور رسول کا استعمال محدث کے معنوں میں ہے۔ اور شرعی اصطلاح اور حقیقی معنوں میں نہیں کسی حد تک قابل قبول ہو سکتی تھی۔ مگر موجودہ صورت میں کہ یہ دونوں حوالہ جات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ۱۹۰۰ء سے پیشتر کے ہیں۔ یہ تاویل کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتی :۔

دعویٰ

ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ مولوی محمد علی صاحب نے جماعت احمدیہ سے علیحدگی اختیار کرنے سے قبل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیلئے لفظ نبی اور رسول استعمال کرتے ہوئے ایک دفعہ بھی مجازی اور لغوی کے الفاظ نہیں لکھے۔ اور نہ ہی یہ لکھا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت اولیاء اور محدثین والی ہے۔ بلکہ یہ بعد کی ایجاد کردہ تاویل ہے۔ جسے کوئی عقلمند درست تسلیم نہیں کر سکتا :۔

پیغام صلح کے حوالے

سید صاحب نے مولوی محمد علی صاحب کی سابقہ تحریرات کے علاوہ "پیغام صلح" کے بھی دو حوالے پیش کئے تھے۔ جن میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کے متعلق "پیغام صلح" کے متعلقین کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا تھا۔ کہ "ہم حضرت مسیح موعودؑ و مہدی معہود کو اس زمانہ کا نبی۔ رسول اور نجات دہندہ مانتے ہیں" اسکے جواب میں "پیغام صلح" کا مضمون نگار لکھتا ہے۔ "حضرت امیر ایدہ اللہ نے اخبار "پیغام صلح" کو کبھی ایڈٹ نہیں کیا اور نہ ان دونوں تحریرات کے نیچے آپکے یا جماعت احمدیہ لاہور کے کسی ذمہ وار فرد کے دستخط ہیں۔ اس زمانہ میں جب یہ تحریرات لکھی گئیں۔ "پیغام صلح" کی ادارت ایک ایسے شخص (ماسٹر احمد حسین صاحب مرحوم فرید آبادی) کے سپرد تھی جو اندرونی طور پر میاں محمود احمد صاحب کے ہم عقیدہ تھے۔ وہی ان تحریرات کے لکھنے کے ذمہ وار تھے۔ اور انکی ایسی ہی حرکات کی بناء پر انہیں "پیغام صلح" سے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ جس کے بعد انہوں نے باقی عمر میاں محمود احمد صاحب کی مجاورت میں بسر کی۔ ایسے شخص کی تحریر کو حضرت امیر یا جماعت لاہور کے عقیدہ کے ثبوت میں بطور حجت پیش کرنا اپنی کم فہمی کا ثبوت دینا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ ایڈیٹر صاحب نے اپنے خیال اور عقیدہ کو پیش نظر رکھکر وہ اعلان کر دیا۔ یا قادیانی اصحاب کی طرف سے کرا دیا گیا۔ جو آج ہماری تبدیلی عقیدہ کے ثبوت میں پیش کیا جا رہا ہے"۔

بیجا الزام

مثل مشہور ہے "کھسیانی بلی کھمبہ نوچے" یہی حال "پیغام صلح" کے مضمون نگار کا ہے۔ جب اور کوئی جواب بن نہ آیا۔ تو "قادیانی اصحاب" پر الزام لگا دیا۔ ان سے کوئی پوچھے۔ کہ اگر ماسٹر

احمد حسین صاحب مرحوم فرید آبادی نے یہ اپنا عقیدہ لکھدیا تھا۔ تو کیا آپ سب لوگوں کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ کہ اس کی تردید اخبار میں فوراً نہ کردی۔ پس یہ ہرگز درست نہیں۔ کہ یہ اعلان پیغام صلح سوسائٹی (جسکے زیر اہتمام ان دنوں اخبار نکلتا تھا) کے منشاء کے خلاف شائع ہوا تھا۔ کیونکہ ایک تنخواہ دار ایڈیٹر کیلئے یہ کسی طرح ممکن نہیں۔ کہ وہ اخبار کے ذمہ وار ارکان کیطرف منسوب کر کے خود بخود کوئی اعلان شائع کر سکے۔ اور پھر "پیغام صلح" کا ایڈیٹر جسکا پیغام صلح کے متعلقین ہر وقت ناک میں دم کئے رکھتے ہیں۔ اور جسکا پیغام کے مضمون نگار کو بھی خوب اچھی طرح تجربہ ہے۔ آجکل انہیں بھی پیغام صلح سے علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ کیا اس کی وجہ بھی کوئی اسی قسم کا واقعہ ہے۔ جو بیچارے ماسٹر احمد حسین صاحب کے خلاف نہایت ڈھٹائی سے اسوقت پیش کیا جا رہا ہے۔ جبکہ وہ اسوقت دنیا میں موجود نہ ہونے کیوجہ سے اس کی تردید نہیں کر سکتے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ اگر یہ اعلان ارکین پیغام صلح کیطرف سے نہ تھا۔ بلکہ غلط طور پر انکی طرف منسوب کیا گیا تھا۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ جب پہلی دفعہ یعنی جلد اول کے نمبر ۲۵ میں شائع ہوا۔ اسکے بعد دوسرے پرچے میں اسکی تردید نہ کردی گئی؟ مگر نہ صرف یہ کہ اس کی تردید نہ کیگئی۔ بلکہ یہ اعلان پھر نمبر ۴۲ میں شائع کیا گیا۔ پھر بھی اسکی تردید کہیں شائع نہیں ہوئی۔ پس یہ واقعات ثابت کرتے ہیں۔ کہ پیغام صلح سوسائٹی کا اس اعلان کی اشاعت کے وقت یعنی سنہ ۱۹۱۳ء میں یہی اعتقاد تھا۔ یا کم از کم اسکے خلاف انہیں اظہار کی اسوقت جرأت نہ تھی۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نبی۔ رسول۔ اور اس زمانہ کے نجات دہندہ ہیں۔ اور حضورؑ کی متابعت کے بغیر نجات ممکن نہیں۔ اور یہ عذر بھی۔ کہ "حضرت امیر ایدہ اللہ نے اخبار "پیغام صلح" کو کبھی ایڈٹ نہیں کیا۔ اور نہ ان دونوں تحریروں کے نیچے آپکے یا جماعت احمدیہ لاہور کے کسی ذمہ وار فرد کے دستخط ہیں۔ انتہا درجہ کا بودا اور باطل ہے۔ کیونکہ جب اخبار "پیغام صلح" میں یہ اعلان اسکے سب متعلقین کیطرف سے ہوا اور مولوی صاحب اور دوسرے لوگوں نے اس کی تردید نہ کی۔ تو یہ اعلان انہیں کیطرف منسوب کیا جائیگا۔ اخبار پیغام صلح سوسائٹی کیطرف سے شائع ہوتا تھا۔ اور مولوی محمد علی صاحب اور جماعت احمدیہ لاہور کے ذمہ وار افراد اسکے ممبر تھے۔ اور اسلئے وہ سب "پیغام صلح" کے متعلقین کے تحت میں آتے ہیں۔ ہاں اگر ان کی طرف سے اس کی تردید ہو جاتی۔ کہ اس اعلان کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں تو آج یہ تاویل صحیح ہو سکتی تھی۔ مگر چونکہ اس کی کوئی تردید نہیں کی گئی۔ اسلئے ان کی طرف اسکی نسبت بالکل درست اور صحیح ہے۔

غیر متعلق حوالے

"پیغام صلح" کے مضمون نگار سے جب مولوی محمد علی صاحب کی تحریرات

اور "پیغام صلح" کے مذکورہ بالا حوالہ جات کا کوئی جواب نہ بن پڑا۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز۔ جناب مولانا سید سرور شاہ صاحب۔ جناب مفتی محمد صادق صاحب اور جناب میر محمد سعید صاحب مرحوم کے بعض اقوال پیش کرنا شروع کر دیئے۔ جنمیں مضمون نگار کے خیال کے مطابق ان بزرگوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت سے اختلاف سے پیشتر انکار کیا ہے۔ حالانکہ سید حبیب صاحب کے مقابل پر ان اقوال کو پیش کرنے سے کوئی فائدہ نہ تھا۔ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ اور حضور کی جماعت کے بعض دیگر بزرگوں نے حضرت مسیح موعودؑ کو اختلاف سے پیشتر کبھی نبی نہیں لکھا بلکہ محدث لکھا ہے۔ تب بھی اس کا اثر سید حبیب صاحب پر کیا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ان کا اعتراض تو مولوی محمد علی صاحب پر ہے کہ آپ اختلاف سے پیشتر اپنے مضامین میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نبی اور رسول لکھتے رہے ہیں۔ اور اب اس سے انکار کر رہے ہیں۔ اسکی کیا وجہ ہے۔ (قسط ہشتم کالم ۲) اسکا جواب یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ سید صاحب کے سامنے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اور حضور کی جماعت کے دوسرے بزرگوں کے اقوال پیش کئے جائیں۔ جنمیں انہوں نے بزعم مضمون نگار حضرت مسیح موعود کی نبوت و رسالت کا انکار کیا ہے۔ لیکن "پیغام صلح" کے مضمون نگار کو اس سے کیا؟ اس نے تو یہ سیکھا ہوا ہے۔ کہ جب مولوی محمد علی صاحب اور "پیغام صلح" کے متعلقین کی سابقہ تحریریں پیش کی جائیں تو جھٹ سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اور مبایعین کی بعض متشابہ تحریریں پیش کرے۔ لہذا اس نے یہ فرض ادا کر دیا۔

حضرت مسیح موعودؑ کی تحریریں اور "پیغام صلح"

"پیغام صلح" کے قابل مضمون نگار نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تمام ان تحریرات کی جنمیں حضور علیہ السلام نے کھلے طور پر نبوت اور رسالت کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ تاویل کی ہے کہ ان تمام مقامات میں حضور کی مراد نبوت اور رسالت سے حقیقی نبوت اور رسالت نہیں بلکہ مجازی نبوت اور رسالت ہے۔ جس کے معنی محدثیت یعنی اولیاء اللہ والی نبوت ہے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ مضمون نگار نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اصل عبارتیں ملاحظہ نہیں کیں۔ کیونکہ بعض ایسے حوالہ جات جن میں اولیاء اللہ والی نبوت قطعاً مراد نہیں ہو سکتی۔ آپ نے ان کی بھی بلا سوچے سمجھے یہی تاویل کی ہے۔

پیغام صلح کی معقولیت

چنانچہ سید حبیب صاحب نے اپنے مضمون کی قسط دہم میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حسب ذیل الفاظ پیش کئے ہیں:۔

"ہمارے نبی ہونے کے وہی نشانات ہیں جو تورات میں مذکور ہیں۔ میں کوئی نیا نبی نہیں ہوں۔ پہلے بھی کئی نبی گزرے ہیں۔ جنہیں تم لوگ سچے مانتے ہو" سید صاحب نے غلطی سے اس کا حوالہ بدر مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۰۸ء کی ڈائری دیا ہے اور "پیغام صلح" کے مضمون نگار نے بھی اصل مقام دیکھے بغیر اپنے مضمون میں اس کا حوالہ ۱۹ اپریل ہی درج کر دیا ہے۔ اور اسکی تاویل یہ کی ہے۔ کہ حضورؑ کے الفاظ "پہلے بھی کئی نبی گزرے ہیں جنہیں تم لوگ سچے مانتے ہو" ظاہر کر رہے ہیں۔ کہ آپؑ کی نبوت ویسی ہی ہے جیسی قبل ازیں اولیائے امت کو ملتی رہی ہے۔ اور لوگ انہیں سچے مانتے ہیں" حالانکہ اگر مضمون نگار صاحب اصل حوالہ کو دیکھنے کی تکلیف گوارا فرماتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ کلمات طیبات "بدر" ۱۹ اپریل میں نہیں۔ بلکہ ۹ اپریل میں ہیں جو حضورؑ نے ایک عیسائی انگریز کے اس سوال کے جواب میں کہ "آپ کے نبی ہونے کے کیا نشانات ہیں۔ ارشاد فرمائے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ عیسائی امت محمدیہ کے کسی ولی کو سچا نہیں مانتے۔ پھر یہ تاویل کیسے صحیح ہو سکتی ہے کہ حضورؑ کی مراد اس جگہ اولیاء امت والی نبوت ہے۔ "پیغام صلح" کے مضمون نگار نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دوسری تحریرات کی جو تاویلات کی ہیں۔ وہ بھی اسی قسم کی ہیں۔ ناظرین اسی سے انکی معقولیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس جگہ چونکہ پیغامی غلط عقائد کی تردید مدنظر نہیں۔ اس لئے اس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں ؛

سید صاحب کی نویں دلیل کی حقیقت

نویں دلیل

سید صاحب نویں دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"مرزا صاحب نے نبی ہونے سے انکار بھی کیا ہے۔ چونکہ احمدی جماعت لاہور ان کے ادعائے نبوت سے انکاری ہے۔ لہذا یہ فرض برادران قادیان پر عائد ہوتا ہے۔ کہ وہ مرزا صاحب کے اقوال میں جو تضاد پایا جاتا ہے۔ اسکی توضیح کریں۔ ورنہ یہ انکار و اقرار نبوت بجائے خود مرزا صاحب کے دعاوی کو باطل ٹھہراتا ہے۔ اور مرزا صاحب کے دعویٰ کو تسلیم کرنے سے میرے انکار کی نویں دلیل یہ ہے۔ کہ وہ نبوت کے مدعی بھی ہیں اور اس سے انکاری بھی" (قسط یازدہم)

اشتہار ایک غلطی کا ازالہ

اسکے بعد سید صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات میں سے چند ایسے حوالے نقل کئے ہیں۔ جو غیر مبائعین کیطرف سے اس ادعا کے ثبوت میں پیش کئے جاتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ نبوت نہیں کیا۔ چنانچہ سید صاحب

قسط یازدہم میں لکھتے ہیں "مرزا صاحب نے ادعائے نبوت کو بھول بھلیاں بنا دیا ہے۔ جس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ لیکن میں ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ آپ نے ۵ نومبر ۱۹۰۱ء کو اشتہار دیا تھا۔ جو ہو بہو درج ذیل ہے"۔ اس کے بعد آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" کی بعض عبارتیں درج کی ہیں۔ مجھے یقین ہے۔ کہ سید صاحب نے "ایک غلطی کا ازالہ" مکمل صورت میں نہیں دیکھا۔ بلکہ کسی کتاب میں اس کے بعض اقتباسات ملاحظہ فرمائے ہیں۔ اور انہی کو مکمل اشتہار سمجھ کر نقل کر دیا ہے۔ ورنہ اگر آپ سارے اشتہار کا مطالعہ کر کے اسکے مضمون پر غور فرماتے۔ تو اس میں دعوئ نبوت کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بظاہر متعارض تحریرات کا جواب آپ کو مل جاتا۔ اسمیں حضورؑ کے یہ الفاظ قطعی طور پر فیصلہ کن ہیں "جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے۔ وہ صرف ان معنوں سے کیا ہے۔ کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانیوالا نہیں ہوں۔ اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں۔ مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا۔ رسول اور نبی ہوں۔ مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کر کے پکارا ہے سو اب بھی میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا"

یہ الفاظ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تمام ان تحریروں کی تشریح ہیں۔ جنمیں حضورؑ نے اپنے نبی اور رسول ہونے سے انکار کیا ہے۔ کسی متکلم کے کلام کی تفسیر اس سے بڑھکر اور کوئی نہیں کر سکتا اور نہ ہی کسی دوسرے شخص کو یہ حق ہے۔ کہ متکلم کی منشاء کے خلاف اس کے کلام کا کوئی اور مطلب بیان کرے۔ "ایک غلطی کا ازالہ" کا مذکورہ بالا حوالہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام ان تحریروں کا جن میں حضورؑ نے بظاہر دعوئ نبوت سے انکار کیا ہے۔ حل ہے ؛

کوئی تضاد نہیں

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک جہت سے اپنی نبوت کا انکار کیا ہے۔ اور دوسرے اعتبار سے اس کا اثبات۔ لہذا سید صاحب کا یہ کہنا۔ کہ آپؑ کی تحریرات میں تضاد ہے۔ صحیح نہیں۔ آپ کے کلام میں تضاد اس صورت میں ہوتا جبکہ حضور ایک ہی جہت سے نبوت کا دعویٰ کرتے اور اسی اعتبار سے اسکا انکار کرتے۔ مگر یہاں اس کے بالکل برعکس یہ صورت ہے۔ کہ جس جہت سے انکار ہے اس جہت سے اثبات نہیں اور جس جہت سے اثبات ہے۔ اس جہت سے انکار نہیں تعجب ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریروں میں جو چیز فیصلہ کن اور سب سے واضح ہے۔ اسی کو سید صاحب

"بھول بھلیاں" سے تعبیر کر رہے ہیں۔ دراصل نبوت کی حقیقت اور تعریف سمجھنے کے لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دو زمانے آئے۔ اور اس لئے حضورؑ کی تحریرات میں دعویٰ نبوت کے حوالہ جات دو قسم کے ہیں۔ ایک سنہ ۱۹۰۱ء سے پیشتر کے اور دوسرے سنہ ۱۹۰۱ء کے بعد کے۔ سنہ ۱۹۰۱ء سے پیشتر کی تحریرات سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ نبی کی تعریف یہ سمجھتے تھے۔ کہ جو نئی شریعت لائے یا پچھلی شریعت کے بعض احکام منسوخ کرے۔ یا یہ کہ اس نے بلاواسطہ نبوت پائی ہو۔ اور یہی تعریف عام طور پر مسلمانوں میں رائج اور مسلم تھی ؛

انبیاء کا طریق

انبیاء کا طریق یہ ہے۔ کہ وُہ اُسوقت تک کسی رائج بات کو نہیں چھوڑتے جبتک اللہ تعالیٰ کیطرف سے اس کے چھوڑنے کا صریح طور پر حکم نہ آئے جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق مسلم شریف میں آیا ہے۔ کَانَ یُحِبُّ مُوَافَقَۃَ اَھْلِ الْکِتَابِ فِیْمَا لَمْ یُؤْمَرْ بِہٖ (مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۲۹۶ مطبوعہ مصر) یعنے حضور کو جن باتوں کے متعلق جناب الٰہی سے حکم نہیں ہوتا تھا ان میں آپ اہل کتاب ہی کی موافقت پسند فرماتے تھے خصوصاً ان مسائل میں جن میں ذاتی رتبہ اور مقام کا اظہار ہوتا تھا۔ حضور زیادہ احتیاط سے کام لیتے تھے چنانچہ جبتک خدا تعالیٰ کیطرف سے صریح طور پر یہ نہ سمجھا دیا گیا۔ کہ حضور تمام انبیاء سے افضل ہیں یہی فرماتے رہے۔ کہ لَا تُفَضِّلُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی۔ نیز فرمایا۔ مَنْ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ یُوْنُسَ فَقَدْ کَذَبَ۔ یعنی یہ کہ میں موسیٰؑ سے افضل نہیں۔ اور جو مجھے یونسؑ سے افضل کہے۔ وہ جھوٹ بولتا ہے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو عالی مرتبہ اور بلند مقام سے اطلاع دی۔ تو فرمایا۔ اَنَا سَیِّدُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ مِنَ النَّبِیِّیْنَ اور اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یعنی میں گذشتہ اور آئندہ تمام انبیاء سے افضل ہوں۔ اور میں تمام بنی نوع انسان کا سردار ہوں۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان بظاہر متعارض اقوال کی سوائے اسکے اور کیا تاویل ممکن ہے، کہ حضورؐ پر جبتک خدا تعالےٰ کی طرف سے حقیقت کا انکشاف نہ ہوا تھا۔ تب تک بروئے احتیاط اس سے انکار کیا۔ اور جب حقیقت منکشف ہو گئی تو اس کا اظہار کیا ؛

طریقِ حل

اس احتیاط سے کام لیتے ہوئے جو شیوۂ انبیاء ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عام مسلمانوں کے رسمی عقیدہ کے مطابق ابتداء میں یہی خیال تھا۔ کہ نبی میں مذکورہ بالا تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور چونکہ آپؑ میں یہ شرائط نہ پائی جاتی تھیں۔ اس لئے آپؑ اپنی نبوت کا انکار کرتے رہے۔ اور اپنے الہامات میں نبی اور رسول کے الفاظ کی جزئی نبوت ناقص نبوت

محدثیت والی نبوت سے تاویل فرماتے رہے۔ لیکن سنہ ۱۹۰۱ء کے بعد وحیٔ الٰہی نے آپؑ پر منکشف کیا۔ کہ نبی کیلئے نئی شریعت لانا یا پچھلے احکام منسوخ کرنا یا بلاواسطہ نبوت پانا شرط نہیں۔ بلکہ صرف مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہونا۔ اور کثرت سے پیشگوئیاں کرنا شرط ہے۔ یہ شرط آپؑ میں پائی جاتی تھی لہٰذا آپؑ نے اپنے آپکو صریح طور پر نبی اور رسول کہا۔ اور اس کے بعد کبھی اپنی نبوت و رسالت کا انکار نہیں کیا۔ اور نہ ہی اسکی تاویل کی۔ ہاں بلاواسطہ نبوت پانے یا نئی شریعت لانے سے حضورؑ آخر تک انکار کرتے رہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت کی اصل حقیقت (یعنی کثرت سے مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہونے اور بکثرت پیشگوئیاں کرنے) کا تو ابتداء ہی سے دعویٰ کیا ہے۔ اور اس سے نہ پہلے کبھی انکار کیا اور نہ بعد میں۔ ہاں تشریعی نبوت اور بلاواسطہ نبوت پانے سے انکار کیا ہے۔ اور اس کا نہ پہلے کبھی دعویٰ کیا نہ بعد میں۔ اس اصل کو ذہن نشین کر لینے کے بعد اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات پر نظر کی جائے۔ تو ان کے حل کرنے میں کوئی دقت باقی نہیں رہتی ؛

سنہ ۱۹۰۱ء سے قبل کے حوالے

سید حبیب صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جو تحریرات پیش کی ہیں ان میں سے سوائے ایک کے باقی سب سنہ ۱۹۰۱ء سے قبل کی ہیں۔ اس لئے انکا ایک ہی اور اصولی جواب ہماری طرف سے یہ ہے۔ کہ یہ سب قسم اول سے ہیں۔ اور ان میں دعوائے نبوت سے انکار اس تعریف کو مدنظر رکھکر کیا گیا ہے۔ جو عام طور پر مسلمانوں میں رائج تھی ؛

سنہ ۱۹۰۱ء سے بعد کا حوالہ

وُہ حوالہ جو آپ نے سنہ ۱۹۰۱ء کے بعد کا پیش کیا ہے۔ وہ ضمیمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۵ کا ہے۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ سُمِّیْتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَۃِ۔ یعنی میں مجازی طور پر نبی ہوں حقیقی طور پر نہیں۔ اگر سید صاحب یہ حوالہ کسی اور کتاب سے نقل کرنے پر ہی اکتفا نہ کرتے۔ بلکہ اصل حوالہ کو خود پڑھتے۔ اور سیاق و سباق کو ملا کر اس کے معنوں پر غور کرتے۔ تو آپکو معلوم ہو جاتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس جگہ جس نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس سے کسی جگہ بھی انکار نہیں کیا۔ لہٰذا اسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عبارتوں میں تضاد کے ثبوت میں پیش کرنا کسی صورت میں صحیح نہیں ہو سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس سے چند سطریں قبل فرماتے ہیں۔ والنبوۃ قد انقطعت بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم ولا کتاب بعد القرآن الذی ھو خیر الصحف السابقۃ ولا شریعۃ بعد الشریعۃ المحمدیۃ۔ بید انی سمیت نبیًا علی لسان خیر البریۃ وذالک امر ظلی من برکات المتابعۃ

وما ارى فى نفسى خيراً ووجدت كلّما وجدت من هٰذه النفس المقدسة ـ وما عنى الله من نبوتى الّا كثرة المكالمة والمخاطبة ولعنة الله على من اراد فوق ذالك اوحسب نفسهٗ شيئاً اواخرج عنقه من الربقة النبوية وان رسولنا خاتم النبيين وعليه انقطعت سلسلة المرسلين فليس حق احد ان يدعى النبوة بعد رسولنا المصطفٰے على الطريقة المستقلة ومابقى بعدهٗ الا كثرة المكالمة ـ وهو بشرط الاتباع لا بغير متابعة خير البرية ـ ووالله ما حصل لى هٰذا المقام الّا من انوار اتباع الاشعة المصطفوية ـ وسميت نبيا من الله على طريق المجاز لا على وجه الحقيقة ـ یعنی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منقطع ہو گئی ہے۔ اور قرآن مجید جو تمام صحف سابقہ سے بہتر ہے اور شریعت محمدیہ کے بعد کوئی کتاب اور شریعت نہیں۔ ہاں میرا نام تمام جہاں سے افضل بشر (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) نے نبی رکھا ہے۔ اور یہ آنحضورؐ کی پیروی کی برکت کی وجہ سے امر ظلی ہے۔ اور مرے اپنے نفس میں کوئی خوبی نہیں۔ میں نے جو کچھ پایا ہے وہ اسی مقدس نفس سے حاصل کیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے میری نبوت سے مراد صرف کثرت مکالمہ و مخاطبہ لی ہے۔ اور خدا کی لعنت ہے اس شخص پر جو اس سے بڑھ کر کچھ اور مراد لے یا اپنے آپکو کچھ سمجھے یا اپنی گردن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی (غلامی کی) رسّی سے باہر نکالے۔ اور ہمارے رسول کریمؐ خاتم النبیین ہیں آپ پر سلسلہ مرسلین منقطع ہو گیا ہے۔ پس کسی کو یہ حق نہیں کہ حضورؐ کے بعد مستقل طور پر نبوت کا دعویٰ کرے۔ اور آپ کے بعد صرف کثرت مکالمہ باقی رہ گیا ہے۔ اور وہ بھی آنحضرتؐ کی اتباع سے مل سکتا ہے۔ بغیر متابعت کے نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی قسم کہ مجھے یہ مقام صرف مصطفوی شعاعوں کی اتباع کے انوار سے حاصل ہوا ہے۔ اور میرا نام خدا کیطرف سے مجازی طور پر نبی رکھا گیا ہے حقیقی طور پر نہیں ؛

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مندرجہ بالا عبارت سے ظاہر ہے۔ کہ حضورؐ نے اسجگہ نبوت تشریعی سے اور ایسی نبوت سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے الگ ہو کر پائی ہو۔ انکار کیا ہے۔ اور نبوت غیر تشریعی کا جو بواسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوئی اور جس سے مراد کثرت مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ ہے اقرار کیا ہے۔ نبوت کی پہلی قسم کا نام آپؑ نے مستقل اور حقیقی رکھا ہے۔ اور اسکی نسبت سے دوسری کا نام مجازی۔ ظلی اور غیر مستقل۔ مگر مؤخر الذکر کو غیر نبوت قرار نہیں دیا۔ بلکہ نبوت کے دو مفہوم اور دو معنے بیان کر کے۔ اسے دوسرے مفہوم کے ماتحت رکھا ہے۔ پس اس میں جس نبوت کا دعویٰ ہے اس سے کبھی آپؑ نے انکار نہیں کیا۔ لہٰذا اس میں اور ان تحریروں

میں جن میں حضورؑ نے دعویٰ نبوت کیا ہے کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ ان میں آپؑ نے غیر تشریعی نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور یہاں بھی غیر تشریعی کا دعویٰ ہے ؛

سیّد صاحب کی ناواقفیت

سیّد صاحب اپنے مضمون کی قسط سیزدہم میں لکھتے ہیں :- "برادران قادیان لوگوں کو یہ کہہ کر بھلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب شریعت کے بغیر نبی مبعوث ہوئے۔ ایسا نبی ظلی اور بروزی نبی ہوتا ہے۔ اسی کو محدث کہتے ہیں۔ اور محدث اور مجدّد نبی نہیں ہوتے۔ وغیرہ وغیرہ" سید صاحب نے اپنے مضمون میں امتیاز کیلئے غیر مبائعین کیلئے "احمدیہ جماعت لاہور" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اور مبائعین کیلئے "برادران قادیان"۔ اس لئے اس جگہ بھی "برادران قادیان" سے جماعت مبائعین ہی مراد ہو سکتی ہے۔ لیکن جماعت مبائعین کے متعلق سید صاحب نے مندرجہ بالا سطور میں جس خیال کا اظہار فرمایا ہے وہ صحیح نہیں۔ کیونکہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ظلی اور بروزی نبوت کو محض محدثیت اور مجددیت کے مترادف نہیں سمجھتے۔ یہ عقیدہ غیر مبائعین کا ہے۔ سیّد صاحب نے اسے ہماری طرف منسوب کرنے میں ہمارے عقائد سے انتہائی ناواقفیت کا ثبوت دیا ہے۔ اسی طرح آپ نے اپنے مضمون کی قسط سیزدہم میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف مندرجہ ذیل الفاظ منسوب کئے ہیں ؛

"میں وہ تھیلا ہوں جس میں تمام نبی بھرے پڑے ہیں"۔ یہ الفاظ سیّد صاحب نے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے کسی شریر مخالف کی کتاب میں پڑھے ہیں۔ اور تحقیق کئے بغیر آپ نے ان کو حضرت اقدس علیہ السلام کیطرف منسوب کر دیا ہے۔ حالانکہ حضورؑ کی کسی تصنیف میں یہ الفاظ نہیں۔ اور یہ امر نہایت افسوسناک ہے کہ سیّد صاحب نے حوالہ جات نقل کرتے ہوئے انتہائی طور پر غیر ذمہ وارانہ طریق اختیار کیا ہے ؛

علاوہ ازیں آپ نے قسط یازدہم میں جو دراصل قسط دوازدہم ہے اور غلطی سے اس پر قسط یازدہم لکھا گیا ہے۔ ایک عبارت کا حوالہ دیتے ہوئے کتاب "ضمیمہ تحفہ گولڑویہ کو ۱۹۰۲ء کی اور "اربعین ۳" کو ۱۸۹۹ء کی طبع شدہ لکھا ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ اگر سیّد صاحب صرف نقل پر ہی انحصار نہ کرتے۔ بلکہ اصل کتابیں اور ان کے سیاق و سباق کی عبارتیں پڑھ لیتے۔ تو آپ کی فروگذاشتوں میں معتد بہ کمی آجاتی۔ اور آپکو معلوم ہو جاتا۔ کہ ضمیمہ تحفہ گولڑویہ اور اربعین ۳ دو مختلف کتابیں نہیں۔ بلکہ ایک ہی مضمون کے دو نام ہیں ؛

ظلّی و بُروزی نبوّت کی حقیقت
اور رسُولِ کریمؐ سے افضل ہونے کے الزام کی تردید

ایک نیا اعتراض

سید صاحب اپنے مضمون کی قسط سیزدہم میں لکھتے ہیں:۔

"اس خیال سے کہ دنیا پر واضح ہو جائے۔ کہ مرزا صاحب کا بروزی اور ظلی نبی ہونے کا دعوٰی ادعائے نبوت کی تلخ گولی پر شکر کا ایک پردہ ہے۔ جس سے مدعا یہ تھا۔ کہ لوگ ادعائے نبوت کی ناخوشگوار گولی کو نگل لیں۔ اور بس۔ میں مرزا صاحب کی تقریروں سے یہ واضح کرنیکی کوشش کروں گا۔ کہ وہ اپنی شان ایسی بتا گئے ہیں۔ جو بروزی و ظلی نبی تو ایک طرف رہے۔ انبیاء علیہم السلام سے بالاتر ہے۔ اور خود سرور انبیاء صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی کسی طرح کمتر نہیں"۔

اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات سے چند اقتباسات نقل کر کے قسط چہاردہم میں بطور نتیجہ لکھتے ہیں:۔

"میں مرزا صاحب کی تحریروں کے حوالے دیکر ثابت کر چکا ہوں۔ کہ مرزا صاحب ایک مقام پر دعوٰی کرتے ہیں۔ کہ وہ خدا کے نبی اور رسول ہیں۔ اور تمام انبیاء سے جنہیں جناب محمد رسول اللہ شامل ہیں۔ افضل ہیں۔ اور اس دعوے پر خدا کی قسم کھاتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں۔ کہ وہ بروزی اور ظلی نبی ہیں"۔

سید صاحب کا یہ اعتراض دو شقوں پر منقسم ہے۔ اوّل یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باوجود ظلّی اور بروزی نبوت کا دعوٰی کرنیکے اپنے آپ کو دیگر انبیاء سے افضل کہا ہے۔ دوئم یہ کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برابری یا آنحضورؐ سے افضل ہونے کا دعوٰی کیا ہے۔ شق اول کا جواب یہ ہے۔

ظِل اور بروز کے مفہوم سے ناواقفیت

معلوم ہوتا ہے۔ کہ سید صاحب نے ظِل اور بُروز کا صحیح مفہوم نہیں سمجھا۔ اور آپ کے خیال میں ظلی اور بروزی نبی ادنیٰ قسم کے نبی ہوتے ہیں۔ جو کسی دوسرے نبی سے افضل نہیں ہوسکتے۔ اسلئے آپ نے ظلی اور بروزی نبوت کے دعوٰی اور دیگر انبیاء پر فضیلت کے دعوٰی کو آپس میں متناقض اور متضاد قرار دیا ہے۔ مگر یہ سید صاحب کی محض ناواقفیت ہے ظل اور بروز کی اصطلاح روحانی ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ مورد ظل و بروز اپنے صاحب اور اصل کے جمیع کمالات کا آئینہ ہو۔ اور اس کے تمام صفات اور خصائص کا انعکاس اس پر پڑتا ہے۔ گویا وہ اس کی بعثت ثانیہ ہی ہوتی ہے۔ اور مورد ظل و بروز کا مرتبہ اپنے اصل اور صاحب کے درجہ کے اعتبار سے ہوگا۔ جتنا عظیم الشان صاحب اور اصل ہے۔ اسی نسبت سے مورد کا مرتبہ سمجھا جائیگا۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا درجہ اور مقام معلوم کرنے کیلئے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا۔ کہ آپ نے کس اصل کا ظل و بروز ہونیکا دعوٰی کیا ہے۔ اور اس کی شان کیا ہے؟

بُروز کی حقیقت

اس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام "ایک غلطی کا ازالہ" میں فرماتے ہیں:۔

"میں بار ہا بتلا چکا ہوں۔ کہ میں بموجب آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ بُروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں۔ اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمدؐ اور احمدؐ رکھا ہے۔ اور مجھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا۔ کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں صلے اللہ علیہ وسلم پس اس طور سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم النبیینؐ کی مہر نہیں ٹوٹی کیونکہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت محمدؐ تک ہی محدود رہی یعنے بہرحال محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہی نبی رہا۔ اور نہ کوئی اور جبکہ میں بروزی طور پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہوں۔ اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدیؐ مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینۂ ظلیت میں منعکس ہیں۔ تو پھر کونسا الگ انسان ہوا۔ جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعوٰی کیا۔ اگر مجھے قبول نہیں کرتے۔ تو یوں سمجھ لو کہ تمہاری حدیثوں میں لکھا ہے۔ کہ مہدی موعود خلق اور خُلق میں ہمرنگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوگا۔ اور اس کا اسم آنجنابؐ کے اسم سے مطابق ہوگا۔ یعنی اس کا نام بھی محمد اور احمد ہوگا۔ اور اس کے اہل بیت میں سے ہوگا۔ اور بعض حدیثوں میں ہے۔ کہ مجھ میں سے ہوگا۔ یہ عمیق اشارہ اس بات کیطرف ہے۔ کہ وہ روحانیت کی رو سے اس نبی میں سے نکلا ہوا ہوگا۔ اور اسی کی روح کا روپ ہوگا۔ اسپر

نہایت قوی قرینہ یہ ہے۔ کہ جن الفاظ کے ساتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تعلق بیان کیا۔ یہاں تک کہ دونوں کے نام ایک کر دیئے۔ ان الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس موعود کو اپنا بروز بیان فرمانا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کا یشوعا بروز تھا۔ اور اس بروز کیلئے یہ ضروری نہیں۔ کہ بروزی انسان صاحب بروز کا بیٹا یا نواسہ ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ روحانیت کے تعلقات کے لحاظ سے شخص مورد بروز صاحب بروز میں سے نکلا ہوا ہو۔ اور ازل سے باہمی کشش اور باہمی تعلق درمیان ہو۔

. . . . . . آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا صرف یہ مقصود تھا۔ کہ وہ فرزندوں کی طرح اس کا وارث ہوگا۔ اسکے نام کا وارث۔ اس کے خلق کا وارث۔ اس کے علم کا وارث۔ اس کی روحانیت کا وارث اور ہر ایک پہلو سے اپنے اندر اس کی تصویر دکھلائیگا۔ اور وہ اپنی طرف سے نہیں۔ بلکہ سب کچھ اس سے لیگا۔ اور اس میں فنا ہو کر اس کے چہرے کو دکھلائیگا۔ پس جیسا کہ ظلی طور پر اس کا نام لیگا۔ اس کا خلق لیگا۔ اس کا علم لیگا۔ ایسا ہی اس کا نبی لقب بھی لیگا۔ کیونکہ بروزی تصویر پوری نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ یہ تصویر ہر ایک پہلو سے اپنے اصل کے کمال اپنے اندر نہ رکھتی ہو۔ پس چونکہ نبوت بھی نبی میں ایک کمال ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تصویر بروزی میں وہ کمال بھی نمودار ہو۔ تمام نبی اس بات کو مانتے چلے آئے ہیں۔ کہ وجود بروزی اپنے اصل کی پوری تصویر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ نام بھی ایک ہو جاتا ہے۔ . . . . انبیاء علیہم السلام کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ بروز میں دوئی نہیں ہوتی۔ کیونکہ بروز کا مقام اس مضمون کا مصداق ہوتا ہے ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

. . . . یہ بروز خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک قرار یافتہ عہدہ تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وآخرین منھم لمّا یلحقوا بھم۔ اور انبیاء کو اپنے بروز پر غیرت نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ انہی کی صورت اور انہی کا نقش ہے۔

. . . . اور اسی بنا پر خدا نے میرا نام نبی اللہ اور رسول اللہ رکھا۔ مگر بروزی صورت میں۔ میرا نفس درمیان میں نہیں ہے۔ بلکہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اسی لحاظ سے میرا نام محمد اور احمد ہوا۔ پس نبوت اور رسالت کسی دوسرے کے پاس نہیں گئی۔ محمدؐ کی چیز محمدؐ کے پاس ہی رہی۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔"

نیز حضرت اقدس علیہ السلام نزول المسیح صہ۳ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ آنیوالا مہدی اور مسیح موعود میرا اسم پائیگا اور کوئی نیا اسم نہیں لائیگا۔ یعنی اس کی طرف سے کوئی نیا دعویٰ نبوت اور رسالت کا نہیں ہوگا۔ بلکہ جیسا کہ ابتداء سے قرار پا چکا ہے۔ وہ محمدؐی نبوت کی چادر کو ہی ظلی طور پر اپنے پر لیگا۔ اور اپنی زندگی اسی کے نام سے ظاہر کرے گا۔ اور مر کر بھی اسی کی قبر میں جائیگا۔ تا یہ خیال نہ ہو۔ کہ کوئی علیحدہ وجود ہے۔ اور یا علیحدہ رسول آیا۔ بلکہ بروزی طور پر وہی آیا۔ جو خاتم الانبیاء تھا۔ مگر ظلی طور پر۔ اسی راز کیلئے کہا گیا ہے۔ کہ مسیح موعود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں دفن کیا جائیگا۔ کیونکہ رنگ دوئی اس میں نہیں آیا۔ پھر کیونکر علیحدہ قبر میں تصور کیا جائے۔

. . . . . اس نکتہ کو یاد رکھو۔ کہ میں رسول اور نبی نہیں ہوں۔ یعنے باعتبار نئی شریعت اور نئے دعوے اور نئے نام کے۔ اور میں رسول اور نبی ہوں یعنے باعتبار ظلیت کاملہ کے میں وہ آئینہ ہوں جسمیں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہے۔ اگر میں کوئی علیحدہ شخص نبوت کا دعویٰ کرنیوالا ہوتا۔ تو خدا تعالیٰ میرا نام محمد اور احمد اور مصطفےٰ اور مجتبیٰ نہ رکھتا۔ اور نہ خاتم الانبیاء کی طرح خاتم الاولیاء کا مجھ کو خطاب دیا جاتا۔ بلکہ میں کسی علیحدہ نام سے آتا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ہر ایک بات میں وجود محمدی میں مجھے داخل کر دیا۔ یہانتک کہ یہ بھی نہ چاہا۔ کہ کہا جائے۔ کہ میرا کوئی الگ نام ہو۔ یا کوئی الگ قبر ہو۔ کیونکہ ظل اپنے اصل سے الگ ہو ہی نہیں سکتا۔"

افضل الرسل کے بروز کا مقام

مندرجہ بالا عبارتوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہایت وضاحت سے اپنی ظلیت اور بروزیت کے دعوی کو بیان فرمایا ہے۔ ان سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ آپؑ نے اپنی آمد کو در حقیقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی بعثت ثانیہ قرار دیا ہے۔ پس آپؑ کے مقام کا اندازہ کرتے ہوئے ہمیں یہ امر ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے۔ کہ آپؑ کا دعویٰ کسی معمولی نبی کا ظل اور بروز ہونے کا نہیں۔ بلکہ اس جلیل القدر نبی کا ظل اور بروز ہونے کا ہے۔ جو افضل الرسل ہے۔ اور ابتداء سے مہدی معہود کیلئے یہی مقدر تھا۔ کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ظل اور بروز ہونے کی وجہ سے روحانیت کے بہت اعلیٰ مقام پر قائم ہوگا۔ چنانچہ امام ابن سیرین فرماتے ہیں "یکون فی ھٰذہ الامۃ

خلیفۃ خیرٌ من ابی بکر و عمر قیل خیرٌ منہما قال قد کاد یفضل علی بعض الانبیاء" (حجج الکرامہ صفحہ ۳۸۶) یعنی امت محمدیہ میں ایک خلیفہ ابوبکرؓ اور عمرؓ سے بھی افضل ہوگا۔ آپ سے دریافت کیا گیا کیا ان دونوں سے افضل ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں وہ تو بعض انبیاء سے بھی افضل ہوگا۔ اسی طرح شرح فصوص الحکم مصری صفحہ ۵۲ و صفحہ ۵۳ میں لکھا ہے۔ "المھدی الذی یجیئ فی اٰخر الزمان فانہٗ یکون فی الاحکام الشرعیۃ تابعاً لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم وفی المعارف والعلوم والحقیقۃ تکون جمیع الانبیاء والاولیاء تابعین لہٗ کلھم ولاتناقض ما ذکرنا لان باطنہٗ باطن محمد صلی اللہ علیہ وسلم"

یعنی امام مہدی جو آخری زمانہ میں آئے گا۔ وہ احکام شرعیہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوگا۔ اور معارف و علوم و حقیقت کے علم میں تمام انبیاء و اولیاء اسکے تابع ہونگے۔ کیونکہ اس کا باطن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا باطن ہے۔

پس اس میں تو ہم اور ہمارے غیر احمدی دوست متفق ہیں۔ کہ مہدی علیہ السلام کا درجہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ظل اور بروز ہونے کی وجہ سے بہت بڑا ہے۔ اگر اختلاف ہے۔ تو صرف تعیین شخصی میں ہے۔ ہمارے نزدیک وہ مہدی حضرت مرزا صاحبؑ ہیں۔ اور غیر احمدیوں کے نزدیک ابھی وہ ظاہر نہیں ہوا۔ اب سید صاحب جواب دیں۔ کہ جب آپکا مزعومہ مہدی آئیگا۔ تو کیا وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ظل اور بروز ہونیکی وجہ سے مذکورہ بالا اقوال کے مطابق دوسرے انبیاء سے افضل ہوگا یا نہیں۔ اگر ہوگا۔ تو پھر آپ ہی فرمائیں۔ کہ اگر آپ جیسا کوئی شخص اسوقت بھی آپکے یہ الفاظ دہرا دے۔ کہ "ظلی اور بروزی نبوت کا دعویٰ ادعائے نبوت کی تلخ گولی پر شکر کا ایک پردہ ہے۔ جس سے مدعا یہ ہے۔ کہ لوگ ادعائے نبوت کی ناخوشگوار گولی کو نگل لیں۔" تو کیا آپ کے نزدیک اس کے یہ الفاظ صحیح ہوں گے۔ اور کیا ایسا شخص ایماندار کہلا سکے گا۔

حضرت مسیح موعودؑ کے مقام کی رفعت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے مقام اور رتبہ کی رفعت کے متعلق مزید فرماتے ہیں:۔

"مسیح ابن مریم آخری خلیفہ موسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ اور میں آخری خلیفہ اس نبی کا ہوں۔ جو خیر الرسل ہے۔ اس لئے خدا نے چاہا ہے۔ کہ مجھے اس سے کم نہ رکھے۔ میں خوب جانتا ہوں۔ کہ یہ الفاظ میرے ان لوگوں کو گوارہ نہ ہوں گے۔ جن کے دلوں میں

حضرت مسیح کی محبت پرستش تک پہنچ گئی ہے۔ مگر میں انکی پرواہ نہیں کرتا۔ میں کیا کروں کسطرح خدا کے حکم کو چھوڑ سکتا ہوں۔ . . . . بات یہی ہے۔ جو شخص چاہے قبول کرے یا نہ کرے۔ میں نہیں جانتا۔ کہ خدا نے ایسا کیوں کیا۔ ہاں میں اسقدر جانتا ہوں۔ کہ آسمان پر خدا تعالیٰ کی غیرت عیسائیوں کے مقابل پر بڑا جوش مار رہی ہے۔ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف وہ توہین کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ کہ قریب ہے۔ کہ ان سے آسمان پھٹ جائیں۔ پس خدا دکھلاتا ہے۔ کہ اس رسول کے ادنیٰ خادم اسرائیلی مسیح ابن مریم سے بڑھکر ہیں۔ جس شخص کو اس فقرہ سے غیظ و غضب ہو۔ اسکو اختیار ہے۔ کہ وہ اپنے غیظ سے مر جائے۔ مگر خدا تعالیٰ نے جو چاہا ہے کیا۔ اور جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کیا انسان کا مقدور ہے۔ کہ وہ اعتراض کرے۔ کہ ایسا تو نے کیوں کیا۔ اس جگہ یہ بھی یاد رہے۔ کہ جب کہ مجھ کو تمام دنیا کی اصلاح کے لئے ایک خدمت سپرد کیگئی ہے۔ اس وجہ سے کہ ہمارا آقا اور مخدوم تمام دنیا کیلئے آیا تھا۔ تو اس عظیم الشان خدمت کے لحاظ سے مجھے وہ طاقتیں اور قوتیں بھی دی گئی ہیں۔ جو اس بوجھ کے اٹھانے کیلئے ضروری تھیں۔ اور وہ معارف اور نشان بھی دیئے گئے ہیں۔ جنکا دیا جانا اتمام حجت کے لئے مناسب وقت تھا۔ مگر ضروری نہ تھا۔ کہ حضرت عیسٰے کو وہ معارف اور نشان دیئے جاتے کیونکہ اسوقت ان کی ضرورت نہ تھی۔ اسلئے حضرت عیسیٰ کی سرشت کو صرف وہ قوتیں اور طاقتیں دی گئیں۔ جو یہودیوں کے ایک تھوڑے سے فرقہ کی اصلاح کیلئے ضروری تھیں۔ اور ہم قرآن شریف کے وارث ہیں۔ جسکی تعلیم جامع کمالات ہے۔ اور تمام دنیا کیلئے ہے۔ مگر حضرت عیسیٰ صرف توریت کے وارث تھے جس کی تعلیم ناقص اور مختص القوم ہے۔ اس وجہ سے انجیل میں انکو وہ باتیں تاکید کیساتھ بیان کرنی پڑیں جو توریت میں مخفی اور مستور تھیں۔ لیکن قرآن شریف سے ہم کوئی امر زائد بیان نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس کی تعلیم اتم اور اکمل ہے۔ اور وہ توریت کی طرح کسی انجیل کی محتاج نہیں۔

پھر جس حالت میں یہ بات ظاہر اور بدیہی ہے۔ کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کو اسی قدر روحانی قوتیں اور طاقتیں دی گئی تھیں۔ جو فرقہ یہود کی اصلاح کیلئے کافی تھیں تو بلاشبہ ان کے کمالات بھی اسی پیمانہ کے لحاظ سے ہونگے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ یعنی ہر ایک چیز کے ہمارے پاس خزانے ہیں۔ مگر قدر ضرورت سے زیادہ انکو نازل نہیں کیا کرتے۔ پس یہ حکمت الٰہیہ کے برخلاف ہے کہ ایک نبی کو امت کی اصلاح کیلئے وہ علوم دیئے جائیں۔ جن علوم سے وہ امت

مناسبت ہی نہیں رکھتی .... اور یہ کچھ برا ماننے کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ فضلنا بعضھم علیٰ بعضٍ یعنے بعض نبیوں کو ہمنے بعض پر فضیلت دی ہے۔ اور ہمیں حکم ہے۔ کہ تمام احکام میں اخلاق میں عبادات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں پس اگر ہماری فطرت کو وُہ قوتیں نہ دی جاتیں جو آنحضرت کے تمام کمالات کو ظلی طور پر حاصل کر سکتیں۔ تو یہ حکم ہمیں ہرگز نہ ہوتا۔ کہ اس بزرگ نبی کی پیروی کرو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ فوق الطاقت کوئی تکلیف نہیں دیتا۔ جیساکہ وہ خود فرماتا ہے۔ لا یکلف اللہ نفساً اِلّا وسعھا اور چونکہ وہ جانتا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جامع کمالات تمام انبیاء کے ہیں۔ اسلئے اس نے ہماری پنجوقتہ نماز میں ہمیں یہ دعا پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم یعنی اے ہمارے خدا ہم سے پہلے جسقدر نبی اور رسول اور صدیق اور شہید گذر چکے ہیں۔ ان سب کے کمالات ہم میں جمع کر پس اس امت مرحومہ کی فطرت عالیہ کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ اسکو حکم ہوا ہے۔ کہ تمام گذشتہ متفرق کمالات کو اپنے اندر جمع کرو۔ یہ تو عام طور پر حکم ہے۔ خواص کے مدارج خاصہ اسی سے معلوم ہو سکتے ہیں .... خلاصہ کلام یہ کہ چونکہ میں ایک ایسے نبی کا تابع ہوں۔ جو انسانیت کے تمام کمالات کا جامع تھا۔ اور اسکی شریعت اکمل اور اتم تھی۔ اور تمام دنیا کی اصلاح کیلئے تھی۔ اس لئے مجھے وہ قوتیں عنایت کی گئیں۔ جو تمام دنیا کی اصلاح کیلئے ضروری تھیں۔ تو پھر اس امر میں کیا شک ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو وہ فطری طاقتیں نہیں دی گئیں۔ جو مجھے دی گئی ہیں۔ کیونکہ وہ ایک خاص قوم کیلئے آئے تھے۔ اور اگر وہ میری جگہ ہوتے۔ تو اپنی اس فطرت کی وجہ سے وہ کام سر انجام نہ دے سکتے۔ جو خدا کی عنایت نے مجھے انجام دینے کی قوت دی ہے۔ وھذا تحدیث نعمۃ اللہ ولا فخر" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۱ تا صفحہ ۱۵۳)

سراسر غلط اتہام

شق ثانی کا جواب یہ ہے۔ کہ سید صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیطرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے برابر یا آنحضور علیہ السلام سے افضل ہونیکا دعویٰ منسوب کرنے میں بیجا جسارت اور دلیری سے کام لیا ہے بلکہ میں یہ کہونگا۔ کہ اپنی ضمیر اور کانشنس کے خلاف ایک ایسی بات کہی ہے۔ جسکی صحت کا انہیں خود بھی یقین نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ سید صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کوئی کتاب بھی۔ جسمیں حضور نے اپنے دعویٰ اور حیثیت کی تفصیل بیان کی ہو۔ بالاستیعاب نہیں پڑھی لیکن اسکے ساتھ ہی مجھے یہ بھی علم ہے۔ کہ سید صاحب جماعت احمدیہ کے بہت سے افراد سے دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں اس امر کا اظہار انہوں نے اپنے مضمون میں بھی کیا ہے اسلئے میں ایک لمحہ کیلئے بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ کہ سید صاحب کو یہ معلوم نہ تھا کہ جماعت احمدیہ کا حضرت

مسیح موعود علیہ السلام کیمتعلق اس ضمن میں کیا عقیدہ ہے۔ جماعت احمدیہ کے دونوں فریق باوجود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ نبوت کے متعلق اختلاف رکھنے کے اس بات پر متفق ہیں۔ کہ حضور کا دعویٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے برابری یا افضلیت کا نہیں۔ اور یہ بات سلسلہ احمدیہ کیمتعلق ایک معمولی واقفیت رکھنے والے کو بھی معلوم ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کی بنیاد ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی پر ہے پھر کیسے ممکن ہے۔ کہ سید صاحب ایسے محقق انصاف پسند اور واقف کو اسکا علم نہ ہو پس یہ امر یقینی ہے کہ سید صاحب کو اس بات کا بخوبی علم تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونیکا ہرگز دعویٰ نہیں کیا۔ اور آپکو ہر ممکن عذر کی رعایت دینے کے بعد بھی قرائن سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپکے یہ الفاظ کہ "مرزا صاحب ایک مقام پر دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ وہ خدا کے نبی اور رسول ہیں۔ اور تمام انبیاء سے جن میں حضرت محمد رسول اللہ صلعم شامل ہیں افضل ہیں" دیانت اور انصاف پر مبنی نہیں لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر سید صاحب کو یہ علم تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونیکا دعویٰ نہیں کیا۔ تو پھر انہوں نے اسقدر خلاف واقعہ بات لکھ کر ایک ناجائز فعل کا ارتکاب کیوں کیا؟ یہ ایسا سوال ہے۔ جسکا جواب یا تو سید صاحب یا وہ لوگ دے سکتے ہیں۔ جنہیں کبھی ایسی ہی مشکلات پیش آئی ہوں۔ جن سے مجبور ہو کر سید صاحب کو ایسی باتیں لکھنی پڑیں۔ اور جنکی طرف اس سے قبل کسی قدر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ جسکا تعلق صرف سید صاحب کی ذات سے تھا۔ مگر بعض لوگ فی الواقعہ ایسے ہیں۔ جو بعض خود غرض مولویوں کی زبانی یہ سنکر کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نعوذ باللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے برابری یا افضلیت کا دعویٰ کیا سلسلہ احمدیہ سے ہمیشہ کیلئے متنفر ہو گئے۔ لہذا ایسے لوگوں کی آگاہی کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سینکڑوں ایسی تحریرات میں سے جنمیں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام بنی نوع آدم سے افضل لکھا ہے۔ اور خود کو حضور علیہ السلام کے متبعین میں سے شمار کیا ہے۔ چند اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ اور توقع کیجاتی ہے کہ ان اقتباسات کو پڑھنے کے بعد کم از کم اپنے اس خیال کی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونیکا دعویٰ کیا۔ اصلاح کرلینگے نیز میں اس موقعہ پر سید صاحب سے بھی یہ گذارش کرونگا۔ کہ وہ سوچیں۔ کیا ایسے شخص کی نسبت جو ہر وقت اور ہر آن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا دم بھرتا ہے۔ یہ کہنا کہ اس نے آنحضور سے افضلیت یا برابری کا دعویٰ کیا انتہائی ظلم اور بے انصافی نہیں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا اظہار

(۱) حضرت اقدس علیہ السلام اپنی کتاب آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۸۷ و صفحہ ۳۸۸ میں فرماتے ہیں۔ "ہم اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس امر پر کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں میں

بہتر اور افضل الرسل اور خاتم الانبیاء ہیں۔ اور ان تمام مقدسوں سے جو گذر چکی ہیں۔ یا آئندہ قیامت تک ہونگے۔ افضل ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود بنفسِ نفیس اپنے دست مبارک سے میری تربیت فرمائی ہے۔ اور مجھ پر اپنی عظمت و شان ظاہر فرما کر اپنے بڑی بڑی اسرار مجھے سکھائے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ہم اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ نجات صرف اسلام میں ہے۔ جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری سے ملتی ہے۔ اور جو کچھ اسلام کے خلاف ہے، اس سے ہم بری و بیزار ہیں۔ اور جو کچھ ہمارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم خدا سے لائے۔ اس پر ہمارا ایمان ہے۔ اگرچہ ہم اسکی حقیقت اور کنہہ کو نہ بھی جانتے ہوں اور جو شخص ان عقائد کے خلاف ہماری طرف کوئی اور عقیدہ منسوب کرتا ہے۔ وہ ہم پر بہتان باندھتا اور جھوٹ بولتا ہے۔ اور افترا کرتا ہے"۔

(۲) اور براہین احمدیہ صفحہ ۵۴۵ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"خداوند کریم نے اسی رسول مقبولؐ کی متابعت اور محبت کی برکت سے اور اپنے پاک کلام کی پیروی کی تاثیر سے اس خاکسار کو اپنے مخاطبات سے خاص کیا ہے۔ اور علوم لدنیہ سے سرفراز فرمایا ہے۔ اور بہت سے اسرار مخفیہ سے اطلاع بخشی ہے۔ اور بہت سے حقایق و معارف سے اس ناچیز کے سینے کو پُر کر دیا ہے۔ اور بار بار بتلایا ہے۔ کہ یہ سب عطیات اور عنایات اور یہ سب تفضلات اور احسانات اور یہ سب تلطفات اور یہ سب انعامات اور تائیدات اور یہ سب مکالمات اور مخاطبات بیمن متابعت و محبت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ؎

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد ٭ وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم"

(۳) آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۴۶ و صفحہ ۲۵۱ میں فرماتے ہیں۔ "ہر ایک نئی صدی جو آتی ہے۔ تو گویا ایک نئی دنیا شروع ہوتی ہے۔ اس لئے اسلام کا خدا جو سچا خدا ہے۔ ہر ایک نئی دنیا کیلئے نئے نشان دکھلاتا ہے۔ اور ہر ایک صدی کے سر پر اور خاص کر ایسی صدی کے سر پر جو ایمان اور دیانت سے دُور پڑ گئی ہے اور بہت سی تاریکیاں اپنے اندر رکھتی ہے۔ ایک قائم مقام نبی کا پیدا کر دیتا ہے جس کے آئینہ فطرت میں نبی کی شکل ظاہر ہوتی ہے۔ اور وہ قائم مقام نبی متبوع کے کمالات کو اپنے وجود کے توسط سے لوگوں کو دکھلاتا ہے اور تمام مخالفین کو سچائی اور حقیقت نمائی اور پردہ دری کی رُو سے ملزم کرتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب اتمام حجت کے لئے میں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ اسکے موافق جو ابھی میں نے ذکر کیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس زمانہ کو تاریک پا کر اور دنیا کو غفلت اور کفر اور شرک میں غرق دیکھ کر اور ایمان اور صدق اور تقویٰ اور راستبازی کو زائل ہوتے ہوئے مشاہدہ کر کے مجھے بھیجا ہے۔ تا وہ دوبارہ دنیا میں علمی اور عملی اور اخلاقی اور ایمانی سچائی کو قائم کرے۔ اور تا اسلام کو ان لوگوں کے حملہ سے بچائے جو فلسفیت اور نیچریت اور اباحت اور شرک اور دہریت کے لباس میں اس الٰہی باغ کو کچھ نقصان پہنچانا چاہتے ہیں"۔

(۴) آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۶۰ و صفحہ ۱۶۴ میں فرماتے ہیں:۔ "وہ اعلیٰ درجہ کا نور جو انسان کو دیا گیا یعنی کامل انسان کو۔ وہ ملائک میں نہیں تھا۔ نجوم میں نہیں تھا۔ آفتاب میں نہیں تھا۔ وہ زمین کے سمندروں اور دریاؤں میں نہیں تھا۔ وہ لعل و یاقوت اور زمرد اور الماس اور موتی میں بھی نہیں تھا۔ غرض وہ کسی چیز ارضی و سماوی میں نہیں تھا۔ صرف انسان میں تھا۔ یعنی انسان کامل میں جسکا اتم اور اکمل اور اعلیٰ اور ارفع فرد ہمارے سید و مولیٰ سید الانبیاء سید الاحیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور یہ شان اعلیٰ اور اکمل اور اتم طور پر ہمارے سید و مولیٰ نبی امی صادق مصدوق محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پائی جاتی تھی۔ جیسا کہ خود خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العالمین لاشریک لہٗ وبذالک امرت وانا اول المسلمین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جس حالت میں اللہ جلشانہٗ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام اول المسلمین رکھتا ہے۔ اور مطیعوں اور فرمانبرداروں کا سردار ٹھہراتا ہے۔ اور سب سے پہلے امانت کو واپس کر دینے والا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قرار دیتا ہے۔ تو پھر کیا بعد اسکے کسی قرآن کریم کے ماننے والے کو گنجائش ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اعلیٰ میں کسی طرح کا جرح کر سکے۔ خدا تعالیٰ نے آیت موصوفہ بالا میں اسلام کے لئے کئی مراتب رکھ کر سب مدارج سے اعلیٰ درجہ وہی ٹھہرایا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت کو عنایت فرمایا۔ سبحان اللّٰہ ما اعظم شانک یا رسول اللّٰہ ؎

موسیٰؑ و عیسیٰؑ ہمہ خیلِ تو اند ٭ جملہ دریں راہ طفیلِ تو اند

(۵) براہین احمدیہ صفحہ ۲۴۲ و ۲۴۶ حاشیہ ۱۱ میں فرماتے ہیں:۔ "وہ لوگ جو قرآن شریف کا اتباع اختیار کرتے ہیں۔ اور خدا کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر صدق دل سے ایمان لاتے ہیں۔ اور اس سے محبت رکھتے ہیں۔ اور اسکو تمام مخلوقات اور تمام نبیوں اور تمام رسولوں اور تمام مقدسوں اور تمام ان چیزوں سے جو ظہور پذیر ہوئیں یا آئندہ ہوں بہتر اور پاک تر اور کامل اور افضل اور اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ وہ بھی ان نعمتوں سے اب تک حصہ پاتے ہیں اور جو شربت موسیٰ علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام کو پلایا گیا۔ وہی شربت نہایت کثرت سے نہایت لطافت سے نہایت لذت سے پیتے ہیں اور پی رہے ہیں۔ اسرائیلی نور ان میں روشن ہیں۔ بنی یعقوب کے پیغمبروں کی ان میں برکتیں ہیں۔ سبحان اللّٰہ ثم سبحان اللّٰہ۔ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کس شان کے نبی ہیں۔ اللہ اللہ کیا نور ہے جس کے ناچیز خادم جس کے ادنیٰ سے ادنیٰ جس کے حقیر سے حقیر چاکر مراتب مذکورہ بالا تک پہنچ جاتے ہیں۔ اللّٰھم صل علٰی نبیک وحبیبک وسید الانبیاء وافضل الرسل وخیر المرسلین وخاتم النبیین محمدؐ واصحابہٖ وبارک وسلم"۔

(۶) سرمہ چشم آریہ صفحہ ۱۸۳ میں فرماتے ہیں:۔ "انسان کامل جو سب کاملین سے اکمل اور مظہر اتم مراتب

جسکا نام محمدؐ ہے ہزار ہزار درود اور سلام اسپر ۔ یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے اسکے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا اور اسکی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں ۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا ۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی ۔ وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اسکو دنیا میں لایا ۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اسکی جان گداز ہوئی اس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا اسکو تمام انبیاء اور تمام اولین و آخرین پر فضیلت بخشی اور اسکی مرادیں اسکی زندگی میں اسکو دیں ۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے ۔ اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اسکے کسی فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے وہ انسان نہیں بلکہ ذریت شیطان ہے ۔ کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کنجی اسکو دی گئی ہے اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اسکو عطا کیا گیا ہے جو اسکے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے ۔ ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے ۔ ہم کافر نعمت ہونگے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اسی نبی کے ذریعہ سے پائی ۔ اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اس کامل نبی کے ذریعہ سے اور اسکے نور سے ملی ہے اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اسکا چہرہ دیکھتے ہیں اسی بزرگ نبی کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا ہے ۔ اس آفتاب صداقت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اسی وقت تک ہم منور رہ سکتے ہیں ۔ جبتک کہ ہم اسکے مقابل پر کھڑے ہیں ۔"

(۱۱) حضورؑ کے کلام منظوم میں بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور مدح میں ایسے ایسے نادر اشعار ملتے ہیں جنکی نظیر پہلے لوگوں کے کلام میں تلاش کرنا بے سود ہے ۔ انہیں پڑھکر ایک انسان کی روح وجد میں آجاتی ہے ۔ اسجگہ حضورؑ کے اردو اشعار میں سے مقام کی مناسبت کو مدنظر رکھتے ہوئے بطور نمونہ چند اشعار درج ہیں ؎

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا ۔۔۔ نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے
پہلوں سے خوبتر ہے خوبی میں اک قمر ہے ۔۔۔ اس پر ہر اک نظر ہے بدر الدجیٰ یہی ہے
وہ آج شاہ دیں ہے وہ تاج مرسلیں ہے ۔۔۔ وہ طیب و امیں ہے ۔ اسکی ثنا یہی ہے
اس نور پر فدا ہوں اسکا ہی میں ہوا ہوں ۔۔۔ وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے
وہ دلبر یگانہ علموں کا ہے خزانہ ۔۔۔ باقی ہے سب فسانہ سچ بے خطا یہی ہے
سب ہم نے اس سے پایا شاہد ہے تو خدایا ۔۔۔ جس نے ہے حق دکھایا وہ مہ لقا یہی ہے

عقل اور انصاف رکھنے والوں سے اپیل

ناظرین ذرا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مذکورہ بالا تحریرات کو پڑھیں ۔ جس کے لفظ لفظ سے حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عشق و ادب و تعظیم اور عظمت و تقدس کے دریا موجیں مارتے ہوئے نظر آتے ہیں اور پھر مخالفین کے اس اتہام کو دیکھیں کہ آپ نے نعوذ باللہ حضورؐ سے فضیلت یا برابری کا دعویٰ کیا ہے ۔ کیا عقل و انصاف سے کچھ واسطہ رکھنے والوں میں سے کوئی خیال کر سکتا ہے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا آقا اور سردار اپنا سید و مولیٰ اور اپنا ہادی بتائے ۔ اور سید الرسل ۔ خاتم الانبیاء تجلیات الٰہیہ کا اتم و اعلیٰ و ارفع و اکمل اور کامل انسانوں کا اتم و اکمل اور اعلیٰ و ارفع فرد

الوہیت اور حقیقی طور پر رتبہ سوم قرب سے ممتاز ہے ۔ اور وہ درحقیقت تمام بنی آدم میں سے ایک ہی ہے جو سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور باقی سب رسل و غیر رسل اس سے مراتب میں کم ہیں ۔ ہاں بعض طبائع ظلی طور پر حسب اندازہ دائرہ استعداد اسکے کمالوں کو پاتے ہیں ۔ مگر حقیقی اور اتم و اکمل و اشد و اجلیٰ و اصفیٰ و ارفع و اعلیٰ طور پر کمال مرتبہ ثالثہ اسی کو حاصل ہے ۔"

(۷) اسی کتاب سرمہ چشم آریہ کے صفحہ ۲۳۸ میں فرماتے ہیں "اس تمام تحریر کا مدعا اور خلاصہ یہ ہے کہ عند العقل قرب الٰہی کے مراتب تین قسم پر منقسم ہیں اور تیسرا مرتبہ جو مظہر اتم الوہیت اور آئینہ خدا نما ہے ۔ حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے مسلم ہے جسکی شعاعیں ہزاروں دلوں کو منور کر رہی ہیں اور بیشمار سینوں کو اندرونی ظلمت سے پاک کر کے نور قدیم تک پہنچا رہی ہیں ۔ وللہ در القائل ؎

محمد عربی بادشاہ ہر دو سرا ۔۔۔ کرے ہے روح قدس جسکے در کی دربانی
اسے خدا تو نہیں کہ سکوں پہ کہتا ہوں ۔۔۔ کہ اسکی مرتبہ دانی میں ہے خدا دانی

کیا ہی خوش نصیب وہ آدمی ہے جس نے محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو پیشوائی کیلئے قبول کیا اور قرآن شریف کو رہنمائی کے لئے اختیار کیا ۔"

(۸) فتح اسلام کے صفحہ ۹ میں تحریر فرماتے ہیں "عیسائی لوگ اسلام کے مٹانے کیلئے جھوٹ اور بناوٹ کی تمام باریک باتوں کو نہایت درجہ جانکاہی سے پیدا کر کے ہر ایک رہزنی کے موقع اور محل پر کام میں لا رہے ہیں اور بہکانے کیلئے نئے نئے نسخے اور گمراہ کرنے کی جدید جدید صورتیں تراشی جاتی ہیں اور اس انسان کامل کی سخت سخت توہین کر رہے ہیں ۔ جو تمام مقدسوں کا فخر اور تمام مقبولوں کا سرتاج اور تمام برگزیدہ رسولوں کا سردار تھا ۔"

(۹) کتاب توضیح مرام صفحہ ۲۳ میں تحریر فرماتے ہیں :- "اگر اسجگہ یہ استفسار ہو کہ اگر یہ درجہ اس عاجز اور مسیح کیلئے مسلم ہے تو پھر جناب سیدنا مولانا سید الکل و افضل الرسل حضرت خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کونسا درجہ باقی ہے ۔ سو واضح ہو کہ وہ ایک اعلیٰ مقام اور برتر مرتبہ ہے جو اسی ذات کامل الصفات پر ختم ہو گیا ہے جسکی کیفیت کو پہنچنا بھی کسی دوسرے کا کام نہیں ۔ چہ جائیکہ وہ کسی اور کو حاصل ہو سکے ؎

شان احمدؐ را کہ داند جز خداوند کریم ۔۔۔ آنچناں از خود جدا شد کز میاں افتاد میم
زاں نمط شد محو دلبر کز کمال اتحاد ۔۔۔ پیکر او شد سراسر صورت رب رحیم
آں مقام و رتبت خاصش کہ بر من شد عیاں ۔۔۔ گفتمے گر دیدمے طبعے دریں راہ سلیم
در رہ عشق محمدؐ ایں سر و جانم رود ۔۔۔ ایں تمنا ایں دعا ایں در دلم عزم صمیم"

(۱۰) حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۱۵ میں فرماتے ہیں :- "میں ہمیشہ تعجب کی نگہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی

لکھے۔ اول المسلمین اور دنیا کی ابتداء سے اخیر تک سب سے افضل سب سے برتر اور اعلیٰ درجہ کا فنا فی اللہ اور
اللہ تعالیٰ کے تمام مطیعوں اور فرمانبرداروں کا سردار اور تمام مدارج عالیہ رکھنے والوں سے بلند مدارج اور رفیع المراتب
اور بزرگ و عظیم الشان اور فضیلت کلی رکھنے والا مانے۔ وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ میں آنحضرت سے افضل یا برابر
ہوں معلوم نہیں۔ ایسا اتہام لگانیوالے کس دل سے آپ پر یہ اتہام لگانے کی جسارت کرتے ہیں۔
اور ان کی طبیعتیں ایسی ذلیل جسارت پر کس طرح تسلی پاتی ہیں؟

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل یا برابر ہونیکا دعویٰ

افضل یا برابر ہونیکا دعویٰ

اب میں ترتیب وار ان تحریرات کو لیتا ہوں جن سے سید حبیب صاحب نے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے افضل یا برابر ہونیکا دعویٰ کیا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی شان

آپ قسط سیزدہم میں لکھتے ہیں:۔

"اپنے فرزند ارجمند مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی شان میں مرزا صاحب اپنی کتاب البشریٰ جلد دوم صفحہ ۱۲ پر عربی میں لکھتے ہیں کہ ترجمہ "میرا پیدا ہونیوالا بیٹا گرامی و ارجمند ہوگا۔ اول و آخر کا مظہر ہوگا۔ اور وہ حق اور غلبہ کا مظہر ہوگا۔ گویا اللہ تعالیٰ خود آسمان سے اتریگا" جب بیٹا خود اللہ ہو تا بہ پدر چہ رسد۔ اسکے بعد مرزا صاحب کا اپنے اس فرزند ارجمند کے متعلق یہ کہنا موجب حیرت نہیں۔ کہ مرزا صاحب کو الہام ہوا۔ اور ان سے لڑکے کی شان میں انہیں کسی کا یہ شعر سنایا گیا۔

اے فخر رسل قرب تو معلومم شد ؛ دیر آمدۂ ز راہ دور آمدۂ

یہ شعر تریاق القلوب صـ ۴۲ پر درج ہے۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب آج دنیا میں زندہ ہیں محمد مصطفےٰ (فداہ ابی) ان سے پہلے دنیا میں تشریف لائے تھے۔ اگر آج یہ کہا جائے کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب فخر رسل ہیں۔ تو اسکے صاف معنی یہ ہوتے ہیں۔ کہ آپ احمد مجتبیٰ (فداہ روحی) سے بھی بڑھکر ہیں۔ اور جب بیٹے کی یہ شان ہو تو باپ کو صرف ظلی اور بروزی نبی کیسے مانا جا سکتا ہے۔"

اپنے دائرہ میں شان

یہ اعتراض کرتے ہوئے سید صاحب نے اسبات پر غور نہیں کیا۔ کہ تمام مقربان بارگاہ ایزدی علی قدر مراتب خدا تعالیٰ کی صفات کے مظہر ہوتے ہیں۔ سب سے بڑھکر اس کے انبیاء۔ پھر ان سے نیچے اتر کر ان کے خلفاء یا امت کے اولیاء اور دیگر بزرگ۔ انہیں سے ہر گروہ روحانی ترقی کے لحاظ سے اپنے اپنے دائرہ میں اپنا درجہ رکھتا ہے۔ اور اگر ان میں سے کسی فرد کی شان کا اظہار کیا جائے۔ تو اگر

اس کے لئے الفاظ عام استعمال کئے گئے ہوں۔ اس سے مراد یہ ہوگی۔ کہ اسے اپنے گروہ کے دائرہ میں یہ امتیاز حاصل ہے مثلاً اگر کسی ولی یا بزرگ کی اعلیٰ شان کا اظہار کیا جائے تو اسکی وہ شان دیگر اولیاء کی نسبت سے سمجھی ہوگی اسی طرح اگر ایک خلیفہ کی اعلیٰ شان کا اظہار کیا جائے تو اسکی وہ شان دیگر خلفاء کی نسبت سے سمجھی جائیگی۔ یہ نہیں کہ اگر کسی خلیفہ یا ولی کی اعلیٰ شان کا اظہار کیا گیا ہو۔ تو اس سے یہ مراد لیجائے کہ وہ انبیاء سے بھی یہی نسبت فضیلت رکھتا ہے گویا یہ بات بہر حال مدنظر رہنی چاہیئے۔ کہ انبیاء کے متبعین میں سے کوئی خواہ اپنے دائرہ میں کتنی ہی بڑی شان رکھتا ہو۔ انبیاء سے کسی صورت میں بھی بڑھ نہیں سکتا۔ پس ایک خلیفہ یا ولی باوجود اپنے گروہ میں انتہائی ترقی حاصل کر لینے کے پھر بھی انبیاء سے نیچے ہے۔ اور اسکی شان میں جو بڑے سے بڑے الفاظ بولے جائینگے۔ ان سے مراد فقط یہ ہوگی۔ کہ وہ اپنے دائرہ میں یہ شان اور امتیاز رکھتا ہے۔ اگر اس نسبت اور اعتبار کا لحاظ نہ رکھا جائے۔ تو اولیاء امت میں سے اکثر نے ایسے ایسے عظیم الشان دعاوی کئے ہیں۔ کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ کہ جب اطاعت کا دعویٰ کرنیوالوں کا یہ حال ہے تو مطاع کی شان اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے۔

شیخ عبد القادر صاحبؒ کے دعاوی

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہی کو لیا جائے ان کے دعاوی پر نظر کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا انہیں سب پر فضیلت حاصل ہے۔ اور ان کا مقام اتنا عظیم الشان ہے کہ جس سے آگے اور کوئی رتبہ باقی نہیں۔ میں اس سے پیشتر ذکر کر آیا ہوں۔ کہ انہوں نے فنا نظری کے مقام کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی آیت وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ اور يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ میں یہی مقام بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح ایک جگہ وہ اپنے بلند مقام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں انا من وراء عقولکم فلا تقیسونی علی احدٍ ولا تقیسوا احدا علیّ (فتوح الغیب صـ ۲۲) یعنی میرا درجہ اتنا بلند ہے۔ کہ جہاں تمہاری عقلیں بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ پس تم مجھے کسی دوسرے پر قیاس مت کرو۔ اور نہ کسی دوسرے کو مجھ پر قیاس کرو۔ اب کیا کوئی ان دعاوی کو دیکھ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی افضلیت یا برابری کا دعویٰ کیا ہے۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ ان دعاوی کا مطلب صرف اسقدر ہے کہ جس طرح انبیاء خدا تعالیٰ کی صفات کے مظہر ہوتے ہیں اسی طرح اولیاء بھی انکی صفات کے مظہر ہوتے ہیں مگر نہ بلحاظ کمیت اور کیفیت کے۔ بلکہ اپنی روحانی قوت اور استعداد کے مطابق کسی قدر وہ اس مقام سے حصہ پاتے ہیں۔ اور سید عبد القادر صاحب کو اپنے دائرہ ولایت میں خاص امتیاز اور شان حاصل ہے۔ پس پس

انبیاء کا گروہ اپنے دائرہ میں ہوتا ہے۔ اور باقی اولیاء اور خلفاء اپنے اپنے دائروں میں ہیں۔

قرآن کریم سے مثال

قرآن مجید نے بھی اس نسبت اور اعتبار کو ملحوظ رکھا ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے فرمایا۔ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ یعنی ہم نے تم کو سب جہاں پر فضیلت دی۔ مگر کوئی شخص بھی اس کے یہ معنے نہیں کرتا۔ کہ امت محمدیہ پر بھی امت اسرائیلی کو فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ دوسری جگہ اللہ تعالےٰ نے كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ فرما کر امت محمدیہ کو تمام پہلی امتوں پر فضیلت بخشی ہے۔ پس بنی اسرائیل کے لئے جو یہ الفاظ استعمال فرمائے۔ کہ سب سے افضل ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ امت محمدیہ سے نیچے اتر کر باقی سب امتوں پر بنی اسرائیل کو فضیلت حاصل ہے۔

نبی اور خلیفہ میں فرق

اسی قاعدہ کے ماتحت اگر ہم مسیح موعود علیہ السلام کے الہام کے ان الفاظ کو دیکھیں جن میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کی شان کا اظہار کیا گیا ہے تو اشکال کی کوئی صورت باقی نہیں رہ جاتی۔ اس میں کیا شک ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی شان روحانی ترقیات کے لحاظ سے بہت بڑی ہے۔ آپ خدا تعالےٰ کی صفات کے مظہر ہیں۔ اور آپکی آمد گویا خدا تعالےٰ کی آمد ہے۔ کیونکہ ہر روحانی وجود کی آمد گویا خدا تعالیٰ کی آمد ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اسکی صفات کا مظہر ہوتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں خدا تعالےٰ کی صفات کی تجلی کا ظہور ہوا۔ اور جس طرح انکی آمد کے وقتوں میں خدا تعالےٰ کی آمد ہوئی۔ اسی طرح یعنی اسی کیفیت اور کمیت میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی ذات میں خدا تعالیٰ کی صفات کی تجلی کا ظہور ہوا۔ اور اس کی آمد ہوئی۔ بلکہ ان دونوں تجلیوں اور آمدوں میں وہی نسبت ہے جو خلیفہ اور نبی میں روحانی طور پر ہوتی ہے۔

تعجب ہے "گویا خدا تعالےٰ خود آسمان سے اتر آیا" کے الفاظ بھی سید صاحب کے لئے ٹھوکر اور اعتراض کا موجب ہوئے ہیں۔ اور آپ نے یہ سمجھا ہے" اس الہام میں "گویا خدا تعالےٰ خود آسمان سے اتر آیا" کے الفاظ سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کو خدا قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ ان الفاظ کا "تعلق حق کا ظہور ہوگا" کے ساتھ ہے۔ یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ذریعہ ایسے بیّن طور پر حق کا ظہور ہوگا کہ گویا آسمان سے خود خدا تعالےٰ اتر آیا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود آئینہ کمالات اسلام ص ۵۷۸ میں

فرماتے ہیں ولد صالح زکی مظہر الاول والاخر مظہر الحق والعلا کان اللہ نزل من السماء یظہر بجلاله جلال رب العلمین۔ یعنی وہ نیک اور پاکیزہ بچہ ہوگا۔ وہ اول و آخر اور حق اور بلندی کا مظہر ہوگا گویا اللہ تعالیٰ خود آسمان سے اتر آیا۔ اس کے جلال سے خدا تعالیٰ کا جو رب العلمین ہے۔ جلال ظاہر ہوگا۔ پس یہ نہیں فرمایا کہ وہ خدا یا خدا کا ہم رتبہ ہوگا۔ بلکہ یہ کہ وہ الٰہی جلال کا مظہر ہوگا۔

خدا کے نزول سے مراد

علاوہ ازیں خدا کے نزول سے مراد اسکی برکات کا نزول ہوتا ہے۔ جیسے حدیث میں آیا ہے۔ ینزل ربنا تبارک وتعالی کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الاخر یعنی اللہ تعالیٰ ہر رات کو سب سے قریب آسمان کی طرف اترتا ہے جبکہ رات کا آخری تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ اب کیا اس جگہ خدا تعالےٰ کے اترنے سے مراد یہ ہے کہ وہ جسمانی طور پر اترتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس سے مراد جیسا کہ محدثین نے لکھا ہے۔ خدا تعالیٰ کے برکات اور اسکی رحمتوں کا نزول ہے۔

حضرت مسیح موعود کے الہام کا مفہوم

اور ان معنوں کی رو سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے وجود کے ذریعہ خدا تعالےٰ کی برکات کا نزول ہوگا۔

بڑے کا چھوٹے پر فخر کرنا

"فخر رسل" کے الفاظ پر بھی سید صاحب کا اعتراض ناواقفیت پر مبنی ہے۔ اگر وہ ذرا غور و فکر سے کام لیتے۔ تو انکو معلوم ہو جاتا۔ کہ جس طرح چھوٹا بڑے پر فخر کیا کرتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات بڑا چھوٹے پر بھی فخر کرتا ہے یہ ہمارا روزمرہ کا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ کبھی آقا غلام پر فخر کرتا ہے اور کبھی غلام آقا پر۔ اسی طرح کبھی باپ بیٹے پر فخر کرتا ہے۔ اور کبھی باپ پر بیٹا فخر کرتا ہے اور جب چھوٹا بڑے پر فخر کرتا ہے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ ایک اعلےٰ شان اور رتبہ والے کی طرف اپنی نسبت کو قابل فخر قرار دیتا ہے۔ اور جب بڑا چھوٹے پر فخر کرتا ہے تو اسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ اسکی فرمانبرداری ہونہاری۔ قابلیت پر فخر کرتا ہے پس فخر کرنا نسبتی اور اضافی امر ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جس پر فخر کیا جائے وہ فخر کرنے والے سے بڑا ہی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی فرماتے ہیں انی اباھی بکم یوم القیامۃ (رواہ احمد عن عبداللہ بن عمرو) اور ابوداؤد کتاب النکاح میں آتا ہے انی مکاثر بکم الامم جس کے معنے عون المعبود میں لکھے ہیں ای مفاخر بسببکم

علی سائر الامم یعنی میں اپنی امت پر دوسرے انبیاء کی امتوں کے مقابل پر فخر کرونگا۔ گویا امت محمدیہ کے ہر فرد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فخر ہے۔ مگر کیا سید صاحب اسکے یہ معنی کرینگے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نعوذ باللہ سب افراد اُمت سے بلحاظ رتبہ چھوٹے ہیں۔

کاش سید صاحب جس میدان کے شاہ سوار تھے۔ اسی میں جولانیٔ طبع دکھاتے اور مذہبی امور میں دخل نہ دیتے۔ پس حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا فخر رسل ہونا ان معنوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس بات پر فخر کرتے ہیں۔ کہ ان کا ایک خادم اعلیٰ خدمات سرانجام دے رہا ہے اور اپنے اولوالعزم اور صاحب ہمت ہونے میں بے نظیر ہے۔

اسمِ اعظم کے مظہر ہونے کا مطلب

اس کے بعد سید صاحب نے البشریٰ جلد دوم ص۶۱ کے حوالہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام انت اسمی الاعلیٰ (تو میرے اسم اعظم کا مظہر ہے تریاق القلوب ص۸۱) سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس میں آپ نے اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل قرار دیا ہے۔ لیکن اگر سید صاحب نے البشریٰ کا خود مطالعہ کیا ہوتا۔ تو انہیں اس الہام سے چند سطروں کے بعد ہی حضور کا ایک اور الہام نظر آجاتا۔ جس میں اس اعلیٰ مقام تک پہنچنے کا ذریعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت قرار دیا گیا ہے۔ اور وہ الہام یہ ہے انت تربی فی حجر النبی۔ یعنی تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی گود میں پرورش پا رہا ہے گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جو مقام انت اسمی الاعلےٰ میں بیان کیا گیا ہے اس حد تک پہنچنے کا باعث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنار عاطفت میں تربیت پانا ہے۔ اور یہ افضلیت کا دعویٰ نہیں بلکہ اتباع کا دعویٰ ہے۔ علاوہ ازیں میں اس سے قبل عرض کر چکا ہوں کہ ہر شخص کا دائرہ محدود ہے اور اسکی شان میں جو بڑے سے بڑا لفظ بھی بولا جائے گا۔ اس سے مراد صرف یہ ہوگی کہ وہ اپنے دائرہ میں امتیاز رکھتا ہے۔ اس اصل کے ماتحت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ الہام اپنے دائرہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائرہ سے نیچے ہے۔

عجیب استدلال

چوتھے نمبر پر آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام "خدا عرش پر تیری حمد کرتا ہے اور تیری طرف چلکر آتا ہے" کو پیش کیا ہے۔ مگر میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ کہ سید صاحب نے اس الہام سے یہ استدلال کیونکر کیا۔ کہ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ کیا خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں تمام انبیاء اور اپنے

نیک بندوں کی تعریف نہیں کی۔ اگر کی ہے۔ اور یقیناً کی ہے۔ تو کیا وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوئے۔ اگر آپ کا استدلال "خدا تیری طرف چل کر آتا ہے" کے الفاظ سے ہے تو آپ کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ ان سے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر افضلیت کا استدلال نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حدیث قدسی میں آتا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اگر میرا بندہ ایک بالشت میری طرف آئے تو میں ایک ہاتھ اسکی طرف جاتا ہوں اور اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ آئے۔ تو میں دو ہاتھ بھر اسکی طرف جاتا ہوں واذا اتانی یمشی اتیتہ ھرولۃ (بخاری) یعنی جب وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اسکی طرف دوڑ کر جاتا ہوں۔ اس حدیث کے معنے کرتے ہوئے تاج العروس میں لکھا ہے وھو مثل لقرب الطاف اللہ عزوجل اذا تقرب الیہ بالاخلاص والطاعۃ۔ یعنی خدا کے بھاگ کر قریب ہونے سے مراد یہ ہے کہ جب انسان اخلاص اور اطاعت سے خدا کے قریب ہوتا ہے تو خدا کی عنایات اس کے قریب ہو جاتی ہیں۔ اور اسی رتبہ کیطرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس الہام میں اشارہ ہے۔ اس سے یہ کیسے ثابت ہوا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے برابر یا افضل ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ اعتراض کرنے سے پہلے کم از کم اتنا تو سوچ لینا چاہیئے کہ اسکی کوئی بنیاد بھی ہے یا کہ نہیں۔

خدا کی لگائی ہوئی باڑ

پانچویں نمبر پر سید صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام انی حمی الرحمٰن (میں خدا کی لگائی ہوئی باڑ ہوں) پیش کیا ہے مگر میں یہاں بھی نہیں سمجھ سکا۔ کہ سید صاحب نے اس سے کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضلیت یا برابری کے دعویٰ کا استدلال کیا ہے۔ اس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ مجھے خدا تعالیٰ نے اسلام کی حفاظت کیلئے بھیجا ہے۔ تا میں مخالفین اسلام کے حملوں کی مدافعت کروں۔ اور میں اس لحاظ سے باڑ کا حکم رکھتا ہوں یعنی جس طرح کھیت کے ارد گرد باڑ اس غرض سے لگائی جاتی ہے کہ اس میں جانور داخل ہو کر اسکو خراب نہ کردیں۔ اسی طرح مجھے خدا تعالیٰ نے اسلام کی باڑ قرار دیا ہے رحمٰن کیطرف باڑ کی اضافت سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس باڑ کو خدا تعالیٰ نے لگایا ہے۔

صریح غلط بیانی

چھٹے نمبر پر سید صاحب لکھتے ہیں۔ "انجام آتھم کے ص۷۸ پر آپ لکھتے ہیں کہ آیت وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین۔ ان (مرزا صاحب) کی شان میں نازل ہوئی۔ نہ کہ رسول امی لقب (فداہ ابی) کی شان میں۔ اسی طرح اربعین کے ص۵۲ پر لکھتے ہیں

کہ رسول احمد صلعم کو داعی الی اللہ و سراج منیر کے جو خطاب دیئے گئے تھے وہ مجھے بھی عطا ہیں۔" سید صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیطرف یہ بات منسوب کرتے ہیں کہ حضور نے وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین کی آیت کے متعلق لکھا ہے کہ "یہ میری شان میں نازل ہوئی نہ کہ رسول امی لقب کی شان میں" صریح غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ یہ الفاظ قطعاً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نہیں ہیں۔

آیات قرآنی کا نزول

اگر قرآن مجید کی کوئی آیت کسی دوسرے شخص پر الہاماً نازل ہو۔ تو اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ اس آیت کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بجائے اپنی شان کے ساتھ مخصوص کرتا ہے۔ دیکھئے خواجہ میر درد صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے علم الکتاب ص۶۴ و ۶۶ میں زیر عنوان "تحدیث نعمت الرب" بہت سی قرآنی آیات کے متعلق لکھا ہے۔ کہ وہ مجھ پر بذریعہ الہام نازل ہوئیں۔ اور ان میں سے کئی آیات ایسی ہیں جن میں اللہ تعالے نے خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا ہے جیسے واستقم کما امرت ولا تتبع اھواءھم وانذر عشیرتک الاقربین۔ ووجدک ضالاً فھدیٰ وغیرہ۔ اسی طرح حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ثم ترفع الی الملک الاکبر فتخاطب بانک الیوم لدینا مکین امین (فتوح الغیب مقالہ ۲۸) یعنی جب تو رتبہ فنا میں کمال کو پہنچ جائے گا تو تیرا خدا تعالے کی طرف رفع کیا جائے گا اور خدا تجھے انک الیوم لدینا مکین امین کہہ کر مخاطب کریگا۔ اور یہ آیت سورۂ یوسف کی ہے۔ نیز شرح فتوح الغیب فارسی ص۳۳ میں لکھا ہے آپ پر آیت واصطفیتک لنفسی کئی دفعہ الہاماً نازل ہوئی۔

پھر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آیا ہے کہ انکو انکے صاحبزادے محمد یحییٰ کے متعلق قبل از ولادت یہ الہام ہوا۔ انا نبشرک بغلام اسمہ یحییٰ (مقامات امام ربانی ص۱۳۶ مطبوعہ دہلی) اور یہ آیت سورہ مریم کی ہے۔ پس قرآن مجید کی آیات کا کسی دوسرے شخص پر الہاماً نازل ہونا صاحب کشوف والہامات اولیاء امت کے نزدیک جائز ہے۔ بلکہ ایسی آیات جو خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نازل ہوئیں۔ بطریق وراثت و پیروی حضورؐ کے متبعین پر بھی نازل ہو سکتی ہیں۔ مگر حضور علیہ السلام بالاصالہ انکے مصداق ہونگے اور جن پر وہ آیات بطور وراثت نازل ہوں وہ ظلی طور پر۔ جیسے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "طفیلی ہر چند جلیس و ہم لقمہ است اما طفیلی طفیلی است" (مکتوبات امام ربانی جلد سوئم مکتوب ۱۲۲) یعنی طفیلی اگرچہ اپنے اصل کے ساتھ ہم لقمہ و ہم جلیس ہوتا ہے

مگر دونوں میں فرق ظاہر ہے وہ اصل ہے اور یہ طفیلی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی براہین احمدیہ جلد چہارم حاشیہ در حاشیہ ص۴۸۷ تا ص۴۸۹ میں تحریر فرماتے ہیں "ان کلمات کا حاصل مطلب تلطفات اور برکات الٰہیہ ہیں جو حضرت خیر الرسل کی متابعت کی برکت سے ہر ایک کامل مومن کے شامل حال ہو جاتی ہیں۔ اور حقیقی طور پر مصداق ان سب عنایات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور دوسرے سب طفیلی ہیں۔ اور اس بات کو ہر جگہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ہر ایک مدح و ثنا جو کسی مومن کی الہامات میں کی جائے وہ حقیقی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ہوتی ہے اور وہ مومن بقدر اپنی متابعت کے اس مدح سے حصہ حاصل کرتا ہے اور وہ بھی محض خدائے تعالیٰ کے لطف اور احسان سے نہ کسی اپنی لیاقت اور خوبی سے۔"

نیز براہین احمدیہ حصہ سوئم حاشیہ در حاشیہ ص۲۴۲ و ص۲۴۳ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "اسجگہ یہ وسوسہ دل میں نہیں لانا چاہیئے۔ کہ کیونکر ایک ادنیٰ امتی آل رسول مقبولؐ کے اسماء یا صفات یا محامد میں شریک ہونگے۔ بلاشبہ یہ سچ بات ہے۔ کہ حقیقی طور پر کوئی نبی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات قدسیہ میں شریک یا مساوی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ تمام ملائکہ کو بھی اس جگہ برابری کا دم مارنے کی جگہ نہیں چہ جائیکہ کسی اور کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات سے کچھ نسبت ہو۔ مگر اے طالب حق! ارشدک اللہ تم متوجہ ہو کر اس بات کو سنو کہ خداوند کریم نے اس غرض سے کہ تا ہمیشہ اس رسول مقبولؐ کی برکتیں ظاہر ہوں۔ اور تا ہمیشہ اس کے نور اور اسکی قبولیت کی کامل شعاعیں مخالفین کو ملزم و لاجواب کرتی رہیں۔ اسی طرح پر اپنی کمال حکمت اور رحمت سے انتظام کر رکھا ہے کہ بعض افراد امت محمدیہ کو جو کمال عاجزی اور تذلل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اختیار کرتے ہیں اور خاکساری کے آستانہ پر پڑ کر بالکل اپنے نفس سے گئے گذرے ہوتے ہیں خدا انکو فانی اور ایک مصفا شیشے کیطرح پاکر اپنے رسول کی برکتیں انکے وجود بے نمود کے ذریعہ سے ظاہر کرتا ہے اور جو کچھ منجانب اللہ انکی تعریف کیجاتی ہے یا کچھ آثار اور برکات اور آیات ان سے ظہور پذیر ہوتی ہیں حقیقت میں مرجع تام ان تمام تعریفوں کا اور مصدر کامل ان تمام برکات کا رسول کریمؐ ہی ہوتا ہے۔ اور حقیقی اور کامل طور پر وہ تعریفیں اسی کے لائق ہیں اور وہی ان کا مصداق اتم ہوتا ہے۔ مگر چونکہ متبع آں سرور کائنات کا اپنے غائت اتباع کی جہت سے اس شخص نورانی کے لئے کہ جو وجود باجود حضرت نبویؐ ہے مثل ظل کے ٹھہر جاتا ہے اس لئے جو کچھ اس شخص مقدس میں انوار الٰہیہ پیدا اور ہویدا ہیں اسکے اس ظل میں بھی نمایاں اور ظاہر ہوتے ہیں۔ اور سایہ میں اس تمام وضع اور انداز کا ظاہر ہونا

کہ جو اس کے اصل میں ہے ایک ایسا امر ہے جو کسی پر پوشیدہ نہیں۔ ہاں یہ سایہ اپنی ذات میں قائم نہیں اور حقیقی طور پر کوئی فضیلت اس میں موجود نہیں۔ بلکہ جو کچھ اس میں موجود ہے وہ اسکے شخص اصل کی تصویر ہے جو اس میں نمودار اور نمایاں ہے۔"

حضرت مسیح موعودؑ نے کسقدر کھول کھولکر اس امر کی وضاحت فرمادی ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات اور محامد میں برابری یا شرکت کا دعویٰ نہیں کیا گیا۔ بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ حقیقی مصداق تو ان تمام محامد اور صفات کے آنحضرت ہیں۔ ہاں ظلی طور پر حضور علیہ السلام کے متبعین پر بھی ان کا پرتو پڑتا ہے پس ان واضح ارشادات کے بعد کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ خواہ مخواہ زبان طعن دراز کرے ہاں اگر مسیح موعود علیہ السلام نے یہ فرمایا ہوتا کہ یہ محامد اور صفات میرے لئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہیں۔ تو پھر بیشک یہ اعتراض جو سید صاحب نے کیا ہی درست ہو سکتا تھا۔

علاوہ ازیں یہ بھی تو سوچنا چاہیئے۔ کہ ہر لفظ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں قرآن مجید میں آیا ہی۔ وہ اگر کسی اور کے لئے بھی استعمال کیا جائے۔ تو اسکے یہ معنی نہیں ہوسکتے کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے برابر ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور رسول کہا گیا ہے اور اسی طرح حضرت موسےٰ۔ عیسٰی۔ ابراہیم علیہم السلام اور دیگر انبیا کو بھی نبی اور رسول کہا گیا ہے تو کیا اس کے یہ معنے ہیں کہ یہ سب نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہیں پس ایک لفظ کا دو شخصوں کے لئے بولا جانا اس امر کو ضروری طور پر مستلزم نہیں۔ کہ ان دونوں کا درجہ اور مرتبہ بھی برابر ہے۔

خطبہ الہامیہ کے حوالے

ساتویں نمبر پر سید صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب خطبہ الہامیہ کے صفحات ۸۔۱۹۔۳۰۔۳۵۔۱۵۸۔اور ۱۷۱ کی عبارات سے کتر و بیونت کر کے چند ایسے اقتباسات درج کئے ہیں۔ جن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے مقام اور رتبہ کو بیان فرمایا ہی۔ مینے وہ تمام اقتباسات پڑھے ہیں۔ مگر کسی ایک میں بھی مجھے کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی جس میں آپنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے افضل یا برابر ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔ بلکہ تمام الفاظ ایسی ہیں جنمیں دیگر اولیائے امت پر اپنی فضیلت کا اظہار فرمایا ہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سردار کہا ہی جیسا کہ سید صاحب نے جو الفاظ نقل کئے ہیں انمیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے "سردار خیر المرسلین" کے الفاظ موجود ہیں۔

یہ الفاظ کہ "مجھے کسی پر قیاس مت کرو اور نہ کسی دوسرے کو مجھ پر" انہی معنوں میں ہیں جنمیں سید عبد القادر جیلانی نے یہ الفاظ فرمائے اور جن کا حوالہ اس سے پیشتر گذر چکا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دو شعر

آٹھویں نمبر پر سید صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مندرجہ ذیل اشعار نقل کئے ہیں :۔

آنچہ داد است ہر نبی را جام ٭ داد آں جام را مرا بتمام
انبیاء گرچہ بودہ اند بسے ٭ من بہ عرفاں نہ کمترم ز کسے

یعنے ہر نبی کو جو پیالہ خدا تعالیٰ نے دیا۔ وہی بلا کم و کاست مجھے بھی دیا گیا۔ اور میں کسی نبی سے عرفان میں کم نہیں۔ ان اشعار کو دعوے فضیلت سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ کیونکہ ان میں صرف یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ جس طرح گذشتہ انبیاء کو خدا تعالےٰ نے نبوت اور عرفان عطا فرمایا۔ اسی طرح مجھے بھی اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل اور حضور علیہ السلام کی پیروی کی برکت سے بخشا ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر فرمایا :۔

وارثِ مصطفےٰ شدم بیقیں ٭ شدہ رنگیں برنگِ یارِ حسیں

براہین احمدیہ حصہ پنجم کا حوالہ

نویں نمبر پر سید صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مندرجہ ذیل عبارت براہین احمدیہ حصہ پنجم صد ۹۰ کے حوالہ سے پیش کی ہے۔

"اس زمانہ میں خدا نے چاہا۔ کہ جسقدر راستباز اور مقدس نبی گزر چکے ہیں۔ ایک ہی شخص کے وجود میں ان کے نمونے ظاہر کئے جائیں۔ سو وہ میں ہوں۔"

یہ الفاظ حضورؑ نے اپنے الہام جری اللہ فی حلل الانبیاء کی تفسیر اور تشریح میں بیان فرمائے ہیں۔ اور ان سے فضیلت کا استدلال کرنا ہرگز صحیح نہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسی جگہ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں :۔ کہ

"اس وحی الٰہی کا مطلب یہ ہے۔ کہ آدمؑ سے لیکر آخیر تک جسقدر انبیاء علیہم السلام خدا تعالےٰ کی طرف سے دنیا میں آئے ہیں خواہ وہ اسرائیلی ہیں۔ یا غیر اسرائیلی۔ ان سب کے خاص واقعات یا خاص صفات میں سے اس عاجز کو کچھ حصہ دیا گیا ہے۔ اور ایک بھی نبی ایسا نہیں گزرا جس کے خواص یا واقعات میں سے اس عاجز کو حصہ نہیں دیا گیا۔ . . . . اس میں یہ بھی اشارہ پایا جاتا ہے۔ کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے جانی دشمن اور سخت مخالف جو عناد میں حد سے بڑھ گئے تھے جنکو طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک کیا گیا۔ اس زمانہ کے اکثر لوگ بھی ان سے مشابہ ہیں۔ اگر وہ توبہ

نہ کریں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور جو کچھ خدا تعالیٰ نے گذشتہ نبیوں کے ساتھ رنگا رنگ طریقوں میں نصرت اور تائید کے معاملات کیئے ہیں۔ ان معاملات کی نظیر بھی میرے ساتھ ظاہر کیگئی ہے۔ اور کیجائیگی"۔

گویا اس الہام کا مطلب یہ ہے۔ کہ بعض خاص امور اور صفات میں مشابہت کی وجہ سے حضور کو خدا تعالیٰ نے تمام انبیاء کا مثیل قرار دیا۔ اور یہ امر کسی سمجھدار انسان کے نزدیک قابل اعتراض نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ قرآن مجید میں بھی خدا تعالیٰ نے ایک نبی کو تمام انبیاء کا قائم مقام قرار دیا ہے جیسا کہ فرمایا۔ کذبت قوم نوح المرسلین یعنی نوح ؑ کی قوم نے تمام رسولوں کی تکذیب کی۔ اسی طرح فرمایا کذبت قوم لوط المرسلین۔ یعنی حضرت لوط ؑ کی قوم نے تمام رسولوں کا انکار کیا۔ ان آیات میں اللہ تعالےٰ نے حضرت نوح ؑ اور حضرت لوط ؑ کی قوم کیطرف تمام رسولوں کی تکذیب کو منسوب کیا ہے۔ حالانکہ انہوں نے صرف ایک ایک نبی کی تکذیب کی تھی۔ یعنی قوم نوح ؑ نے صرف نوح ؑ کی۔ اور قوم لوط ؑ نے صرف لوط ؑ کی۔ لیکن چونکہ ہر ایک نبی دوسرے انبیاء کا مثیل اور نمونہ ہوتا ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے ایک کی تکذیب کو تمام کی تکذیب ٹھہرایا۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ الہام قرآن مجید کے عین مطابق ہے۔ اور اس سے فضیلت کلی کا استدلال درست نہیں۔

کتاب معیار الاخیار کا حوالہ

دسویں نمبر پر سید صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب معیار الاخیار صہ ۱۱ کے حوالہ سے مندرجہ ذیل عبارت نقل کی ہے:۔

"میں وہی مہدی ہوں۔ جس کی نسبت ابن سیرین سے سوال کیا گیا۔ کہ وہ حضرت ابو بکر ؓ کے درجہ پر ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ ابو بکر ؓ تو کیا وہ تو بعض انبیاء سے بہتر ہے"۔

ظاہر ہے۔ کہ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے امام ابن سیرین کے عقیدہ کی رُو سے اپنا دعویٰ پیش کیا ہے۔ لہٰذا اگر سید صاحب کے نزدیک یہ امر قابل اعتراض ہے۔ تو آپ کا یہ اعتراض پہلے امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ پر پڑے گا۔ اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا۔ کہ حضرت مسیح موعود ؑ کا بعض انبیاء سے اپنی فضیلت کا دعویٰ گذشتہ بزرگوں کے مسلمات سے ہے۔ پس معقولیت کی رُو سے اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اعتراض ہوسکتا ہے۔ تو صرف آپ کے دعویٰ مہدویت اور مسیحیت پر ہونا چاہیئے۔ نہ اس بات پر کہ آپ نے فضیلت کا

دعوےٰ کیا۔ کیونکہ آپ نے جس فضیلت کا دعویٰ کیا۔ وہ تو مہدی اور مسیح موعود کیلئے پہلے سے امت میں مسلم ہے۔ لہٰذا جو شخص مہدی اور مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ کرے گا۔ وہ اس فضیلت کا بھی مدعی ہوگا۔ پس اختلاف تعیین مہدی و مسیح موعود میں ہوسکتا ہے۔ نہ کہ اس کے مرتبہ اور درجہ میں۔ کیونکہ اس کا فیصلہ پہلے سے ہو چکا ہے۔ مگر افسوس سید صاحب نے اس بات پر بحث شروع کردی جس کا پہلے سے فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور اس قسم کی بحث محض تضییع اوقات ہے۔

ایک الہامی شعر

گیارھویں نمبر پر سید صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مندرجہ ذیل الہامی شعر نقل کیا ہے:۔

مقام او مبیں از راہِ تحقیر ؛ بدورانش رسولاں ناز کردند

اس سے بھی فضیلت کلی کے دعوےٰ کا استدلال صحیح نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ میں بتلا چکا ہوں۔ کہ جیسے چھوٹے کو بڑے پر ناز ہوتا ہے۔ اسی طرح بڑے کو بھی چھوٹے پر ناز ہوسکتا ہے۔ اور سید صاحب کا یہ خیال صحیح نہیں۔ کہ ہمیشہ چھوٹے ہی کو بڑے پر ناز ہوا کرتا ہے۔ پس اس لحاظ سے شعر کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے چھوٹے انبیاء آپ پر اس لحاظ سے ناز کرتے ہیں۔ کہ ان کی جماعت کا ایک فرد اعلےٰ خدمات سر انجام دے کر اور ان کے کارناموں کو زندہ کر کے ان کے گروہ کی عزت افزائی کا باعث ہوا۔ اور آپ سے بڑے نبی یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر اس وجہ سے ناز کرتے ہیں۔ کہ حضور کے اتباع میں سے ایک نے دوبارہ دین کو دنیا میں قائم کیا۔ اور خدا تعالےٰ کے نام کو بلند کیا ؛

حضرت مسیح ابن مریم سے فضیلت کا دعوےٰ

بارھویں سے پندرھویں نمبر تک سید صاحب نے حضرت مسیح موعود ؑ کی بعض ایسی عبارتیں نقل کی ہیں۔ جن میں حضور ؑ نے اپنے مقام کو حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام سے افضل قرار دیا ہے۔ اس کا جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں ہی اس سے قبل دے چکا ہوں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام موسوی سلسلہ کے آخری خلیفہ تھے۔ اور صرف یہود کی اصلاح کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام محمدی سلسلہ کے آخری خلیفہ ہیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں تمام جہان کیطرف مبعوث ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ

جیسے موسوی سلسلہ کے بانی حضرت موسیٰ علیہ السلام محمدی سلسلہ کے بانی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درجہ میں کم ہیں۔ اسی طرح موسوی سلسلہ کے آخری خلیفہ یعنے حضرت مسیح ناصری علیہ السلام محمدی سلسلہ کے آخری خلیفہ یعنے مسیح موعود علیہ السلام سے درجہ میں کم ہوں۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ استدلال ایک نہایت مضبوط بنیاد پر قائم ہے۔

امام حسینؓ سے فضیلت کا دعویٰ

سولہویں نمبر پر سید صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مندرجہ ذیل شعر نقل کیا ہے:۔

کربلا ئیست سیر ہر آنم ؛ صد حسین است در گریبانم

یہ شعر عموماً ایسے لوگ جنہیں معقولیت سے کوئی غرض نہیں۔ اور جاہل لوگوں کو اشتعال دلانا چاہتے ہیں۔ پیش کیا کرتے ہیں مگر اب معقولیت کے بلند بانگ دعویٰ کرنیوالے یعنے جناب سید حبیب صاحب بھی اسے ہی پیش کر رہے ہیں۔ معلوم نہیں کہ اس شعر کو درج کرنے سے آپکا منشاء کیا ہے۔ اگر آپکا مدعا یہ ثابت کرنا ہے۔ کہ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت امام حسین رضؓ سے افضل ہونیکا دعویٰ کیا۔ تو جیسا کہ اس سے پیشتر میں عرض کر چکا ہوں۔ ایک موٹی سے موٹی عقل کا انسان بھی یہ امر بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ کہ جس شخص کا دعویٰ یہ ہے کہ میں مہدی اور مسیح موعود ہوں۔ اس کا ساتھ ہی یہ بھی دعویٰ ہے۔ کہ میرا مقام اور منصب وہی ہے جو مسیح موعود اور مہدی کیلئے امت محمدیہ میں مسلم ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ کوئی مسلمان بھی یہ تسلیم نہیں کرتا۔ کہ مہدی اور مسیح موعود کا درجہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے کمتر ہوگا۔ اگر سید صاحب کو خود اس بات کا علم نہ تھا۔ تو امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ بالا قول ہی دیکھکر جسکا ذکر حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی کتاب میں کیا تھا۔ اعتراض کرنے سے رک جاتے مگر افسوس تو یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام پر اعتراض کرتے وقت معقول سے معقول آدمی بھی ایسا طریقہ اختیار کر لیتا ہے جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اندھا دھند نکتہ چینی کرنیوالے عیسائی وغیرہ مخالفین اسلام کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ سید صاحب ہی بتلائیں۔ کہ اگر ایک عیسائی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کے دعاوی پر بحث کرنے لگ جائے۔ تو آپ اسے سوائے اس کے اور کیا جواب دینگے۔ کہ پہلے ہمیں حضور علیہ السلام کے اصل دعوے کی صداقت پرکھنی چاہیئے۔ اگر یہ ثابت ہو گیا۔ کہ حضور ہمیشہ صادق ہیں۔ تو افضلیت کے تمام دعاوی صادق ہونگے۔ کیونکہ یہ اسکے تابع اور ماتحت ہیں۔ لیکن اگر اصل دعویٰ ثابت نہ ہوا۔ تو دوسرے دعوے خود بخود باطل ہو گئے۔ پس معقولیت اور انصاف پسندی کا اقتضاء یہ تھا۔ کہ

سید صاحب بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اعتراضات کرتے وقت اسی اصل کی پیروی کرتے مگر ہمارے مخالفین کی یہ عجیب حالت ہے کہ وہ وہی پوزیشن اختیار کر لیتے ہیں۔ جو مخالفین اسلام نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراضات کرتے وقت اختیار کیا کرتے ہیں۔ اب اگر کوئی سوچنے والا ہو۔ تو سوچے۔ کہ بھلا یہ بھی کوئی اعتراض ہے کہ جس نے مہدی اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ وہ اپنے آپکو حضرت امام حسین رضؓ سے کیوں افضل قرار دیتا ہے۔ اگر ایسے معترض کے نزدیک عقل و تحقیق اسی کا نام ہے۔ تو پھر میں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ اسکے نزدیک جہالت اور نامعقولیت کسے کہتے ہیں۔

ایک الہام

سترھویں نمبر پر سید صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مندرجہ ذیل الہام البشریٰ جلد دوم صہ ۱۱۹ کے حوالہ سے درج کیا ہے:۔

"میں تو بس قرآن ہی کی طرح ہوں۔ اور قریب ہے۔ کہ میرے ہاتھ پر ظاہر ہوگا۔ جو کچھ کہ فرقان سے ظاہر ہوا"۔

اس میں بھی کوئی امر قابل اعتراض معلوم نہیں دیتا۔ کیونکہ یہاں صرف اس بات کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ کہ جو تطہیر قلوب کا کام قرآن مجید نے کیا ہے۔ وہی میرے ذریعہ ہوگا۔ پھر "قریب ہے۔ کہ میرے ہاتھ پر ظاہر ہوگا۔ جو کچھ کہ فرقان سے ظاہر ہوا" کے الفاظ میں اپنے حکم ہونیکا دعویٰ کیا ہے۔ یعنی جس طرح قرآن مجید نے اختلافات کا فیصلہ کیا تھا۔ اور اس لحاظ سے اس کا نام فرقان ہے۔ اسی طرح میں بھی امت محمدیہ کے اختلافات کا فیصلہ کروں گا۔ اور حق و باطل میں فرق کر کے دکھلاؤں گا۔ اور ظاہر ہے۔ کہ اسکو فضیلت کے دعوے سے کوئی تعلق نہیں۔

بعض فارسی اشعار

اٹھارھویں نمبر پر سید صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض فارسی اشعار درج کئے ہیں جنمیں حضورؑ نے اپنی وحی کو اسی طرح خطا سے منزہ قرار دیا ہے۔ جس طرح کہ دوسرے انبیاء اور قرآن مجید کی وحی کو۔ نیز یہ کہ حضورؑ کو اپنی وحی کی صداقت پر اسی طرح یقین ہے۔ جیسے کہ پہلے انبیاء کو اپنی وحیوں پر تھا۔ سید صاحب نے یہ ظاہر نہیں کیا۔ کہ ان اشعار کو نقل کرنے سے ان کا مقصود کیا ہے۔ عام معترضین ان سے یہ استدلال کر کے لوگوں کو دھوکا دیا کرتے ہیں۔ کہ ان میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی وحی کو قرآن مجید کی وحی کے ہمرتبہ قرار دیا ہے۔ اور چونکہ سید صاحب دوسرے معترضین کی نقل کر رہے ہیں۔ اس لئے غالباً آپکا بھی یہی مقصد ہوگا۔ لہٰذا اسکے جواب میں گزارش ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی وحی کو کبھی

قرآن مجید کے ہمرتبہ قرار نہیں دیا بلکہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام انبیاء سے افضل مانا ہے۔ اسی طرح حضورؑ پر جو قرآنی وحی نازل ہوئی اسے بھی تمام الہاموں اور وحیوں سے افضل قرار دیا ہے۔ جیسا کہ حضورؑ کشتی نوحؑ صفحہ ۲۴ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن ہے۔ کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں۔ جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے۔ اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں۔ جو بلاواسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے ...... قرآن وہ کتاب ہے جس کے مقابل پر تمام ہدایتیں ہیچ ہیں"

نیز تحفہ بغداد صفحہ ۲۵ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"والقرآن مخصوصٌ بالقطعیۃ التامۃ ولہ مرتبۃٌ فوق مرتبۃ کل کتاب وکلِ وحی"

یعنی قرآن مجید قطعیت تامہ کیساتھ مخصوص ہے۔ اور اس کا مرتبہ ہر ایک کتاب اور وحی سے بالاتر ہے؛

ان اشعار سے مراد صرف اس قدر ہے۔ کہ حضورؑ کو اپنے الہام اور وحی کی صداقت اور اسکے منزہ عن الخطا ہونے پر ایسا ہی یقین ہے۔ جیسا کہ گذشتہ انبیاء کو اپنے الہامات اور وحیوں کی صداقت اور ان کے منزہ عن الخطا ہونے پر تھا۔ یہ مطلب نہیں کہ اپنی اور قرآن مجید کی وحی کو ہمرتبہ قرار دینا مقصود ہے۔ کیونکہ اس کے متعلق تو حضورؑ نے اپنی تصنیفات میں جابجا اس امر کی تصریح کی ہے۔ کہ قرآنی وحی تمام وحیوں سے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئیں اعلیٰ اور افضل ہے؛

ایک الہام کے متعلق غلط فہمی

آخیر پر سید صاحب لکھتے ہیں:۔

"خطبہ الہامیہ کے صفحہ ۲۳ پر مرزا صاحب لکھتے ہیں؛ "مجھ کو فنا کرنے اور زندہ کرنیکی صفت دی گئی"۔ لیکن مرزا صاحب کی تعلی کی انتہا یہ ہے۔ کہ آپ لکھتے ہیں۔ کہ انہیں الہام ہوا تھا کہ انما امرک اذا اردت شیئاً ان تقول لہ کن فیکون یہ الہام البشریٰ جلد دوم صفحہ ۹۴ پر درج ہے۔ اور اس کے معنے یہ ہیں۔ کہ خداوند کریم نے مرزا صاحب سے کہا کہ اے مرزا تحقیق تیرا ہی حکم ہے۔ کہ جب تو کسی شئے کا ارادہ کرے تو اس سے کہدیتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے" مجھ گناہ گار کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ کن فیکون کا دعویٰ خداوند تعالیٰ کے سوا کسی کی شان کے شایاں نہیں۔ اور سید ہاشمی نسب امی لقب (فداہ روحی) نے بھی ایسا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر یہ حال بروزی نبی کا ہے تو مستقل نبی کا کیا ہوگا"

سید صاحب کا یہ اعتراض ایک غلط فہمی پر مبنی ہے۔

اور وہ یہ کہ آپ الہام انما امرک اذا اردت شیئاً ان تقول لہ کن فیکون کی ضمائر خطاب کے مخاطب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سمجھ رہے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اس کا جو ترجمہ کیا ہوا اس میں "اے مرزا" کے الفاظ آپ نے اسی غلط فہمی کی وجہ سے زائد کئے ہیں۔ حالانکہ یہ ضروری نہیں کہ ملہم پر جو الہام بصیغہ خطاب نازل ہو۔ اس کا مخاطب ملہم ہی ہو بلکہ بعض اوقات اس کا مخاطب خدا تعالیٰ ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ایاک نعبد وایاک نستعین (ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخاطب نہیں بلکہ خدا تعالیٰ مخاطب ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس الہام میں بھی ملہم کی زبان سے خدا تعالیٰ کو خطاب ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ قل یعنی کہہ کا لفظ اس سے پہلے محذوف مانا جائے۔ جیسے قرآن مجید کے کئی مقامات پر قل کو مقدر مانا گیا ہے۔

علاوہ ازیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۴ و ۱۰۵ میں اپنے الہامات کی جو ترتیب بحکم الٰہی شائع فرمائی ہے۔ اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس الہام میں مخاطب خدا تعالیٰ ہے۔ اور وہ ترتیب یہ ہے۔ رب انی مغلوب فانتصر فسحقہم تسحیقا زندگی کے فیشن سے دور جا پڑے۔ انما امرک اذا اردت شیئاً ان تقول لہ کن فیکون اور ان الہامات کا ترجمہ حضورؑ کے اپنے الفاظ میں یہ ہے۔ "اے میرے خدا میں مغلوب ہوں۔ میرا انتقام دشمنوں سے لے۔ پس ان کو پیس ڈال کہ وہ زندگی کی وضع سے دور جا پڑے ہیں۔ تو جس بات کا ارادہ کرتا ہے وہ تیرے حکم سے فی الفور ہو جاتی ہے"

اس سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہو گئی۔ کہ اس جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی الہامی دعا میں خدا تعالیٰ کو مخاطب کر کے یہ عرض کر رہے ہیں۔ کہ اے خدا تو جس بات کا ارادہ کرتا ہے وہ تیرے حکم سے فی الفور ہو جاتی ہے جیسا کہ ایاک نعبد وایاک نستعین کی الہامی دعا میں خدا تعالیٰ مخاطب ہے۔

علاوہ ازیں اس کا مخاطب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس وجہ سے بھی قرار نہیں دیا جا سکتا کہ حضور علیہ السلام نے اپنی محکم تحریرات میں کن فیکون کے اختیارات کا مالک صرف ذات باریتعالیٰ ہی کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ کشتی نوح صفحہ ۱۵ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"نہ ایکدفعہ بلکہ بیسیوں دفعہ میں نے خدا کی بادشاہت کو زمین پر دیکھا۔ اور مجھے خدا کی اس آیت پر ایمان لانا پڑا للہ ملک السمٰوات والارض یعنی زمین پر بھی خدا کی بادشاہت ہے اور آسمان پر بھی۔ اور

پھر اس آیت پر ایمان لانا پڑا۔ کہ انما امرہٗ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون یعنی تمام زمین اور آسمان اسکی اطاعت کر رہے ہیں۔ جب ایک کام کو چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا۔ تو فی الفور وہ کام ہو جاتا ہے"۔

اس سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کن فیکون کے اختیارات کا دعوےٰ نہیں۔ بلکہ یہ اختیارات حضور نے خدا تعالےٰ کی ذات سے منسوب کئے ہیں ہاں جیسا کہ حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوح الغیب مقالہ ۱۳ میں لکھا ہے کہ قال اللہ فی بعض کتبہ یا ابن آدم انا اللہ لا الٰہ الّا انا اقول للشیٔ کن فیکون اطعنی اجعلک تقول للشیٔ کن فیکون یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض کتابوں میں فرمایا ہے کہ اے ابن آدم میرے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ جب ایک چیز کو حکم دیتا ہوں کہ ہو جا۔ تو وہ فی الفور ہو جاتی ہے۔ تو میری اطاعت کر تا کہ میں تجھے ایسا ہی کر دوں۔ کہ جب تو کسی چیز کو کہے ہو جا تو وہ فی الفور ہو جائے اسکے مطابق جیسے دیگر اولیاء اللہ اور انبیاء سے خوارق اور معجزات بحکم الٰہی ظاہر ہوئے اور ان میں صفات الٰہیہ کا ظہور ہوا۔ ایسا ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بھی خوارق ظاہر ہوئے۔ اور خدا تعالےٰ کی صفات کا آپ کے ذریعہ بھی ظہور ہوا۔

زندہ اور فنا کرنیکی صفات

یہ جو فرمایا کہ "مجھے فنا کرنے اور زندہ کرنیکی صفت دی گئی ہے" اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ ظلّی طور پر خدا تعالیٰ کی یہ صفات حضور میں ظاہر ہوئیں۔ اور جیسا کہ حضرت سید عبد القادر جیلانی رح نے فتوح الغیب میں اسکی تصریح فرمائی ہے۔ بطور خوارق اور معجزات خدا تعالےٰ کی کسی صفت کا اسکے اذن سے وقتی طور پر کسی بندے کے ذریعہ ظاہر ہونا باعث اعتراض نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ قرآن مجید کی آیت انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیراً باذن اللہ میں سب کو مسلّم ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بنائے ہوئے پرندوں کو تھوڑی دیر کے لئے قوت پرواز حاصل ہو جاتی تھی۔ علاوہ ازیں اسکے یہ معنی بھی ہیں کہ مجھے خدا تعالےٰ نے حق کو زندہ کرنے اور باطل کو بدلائل فنا کرنیکی طاقتیں دی ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں فرمایا۔ لیھلک من ھلک عن بیّنۃ ویحییٰ من حیّ عن بیّنۃ۔ پس اسجگہ بھی جسمانی ہلاکت یا جسمانی زندگی مراد نہیں۔ بلکہ دلائل کے ساتھ روحانی زندگی مراد ہے۔ اور مسیح موعود کے متعلق جو احادیث میں آیا ہے کہ اس کے دم سے کافر مرینگے۔ اس سے بھی یہی مراد ہے کہ وہ دلائل کے ساتھ ان کو مردہ اور اسلام کو زندہ ثابت کریگا۔ چنانچہ آپنے یہ کام کر دکھایا۔ تمام دیگر مذاہب کو مردہ ثابت کر کے اسلام اسکے نبی اور اسکی کتاب کو زندہ ثابت کیا ÷